ضحاک

(اسٹیج ڈرامہ)

Scanned by CamScanner

ضحاک

(چھ مناظر میں ایک ڈراما)

محمد حسن

پروفیسر و صدر ہندوستانی زبانوں کا مرکز
جواہر لال نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی ۶۷

ادارۂ تصنیف، ڈی ۷، ماڈل ٹاؤن، دہلی ۱۱۰۰۰۹

۱۹۸۰

قیمت دس روپے

Scanned by CamScanner

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

تعداد اشاعت ——— ۱۰۰۰
سال اشاعت ——— مارچ ۱۹۸۰ء
مطبع ——— فائن آفسیٹ پریس دہلی
قیمت ——— دس روپے

NADEEM.IQBAL

Scanned by CamScanner

انتساب

دُنیا کے دبے کچلے عوام کے نام

یہ لوگ جن کو خدا بننے کی نہیں خواہش
یہ لوگ جن کی شب ماہ نہ صبح چمن ...
یہ لوگ جن کی کوئی شکل ہے نہ تاریخیں
ہنسی میں ڈھال کے جیتے ہیں یوں ہی رنج و محن...
خدائے حاضر و غائب کی ہیں یہ وہ بھیڑیں
جنھیں چراتے ہیں صدیوں سے رہبرانِ وطن
یہ لوگ جو ہیں ہر اک فن کا خام سرمایہ
انھیں سے باندھا ہے میں نے حیات کا دامن

محمد حسن

Scanned by CamScanner

گیان چند پروفیسر و صدر شعبۂ اُردو سنٹرل یونیورسٹی۔ حیدر آباد۔

پیش لفظ

ڈاکٹر محمد حسن اُردو کے ممتاز نقادوں میں سے ہیں۔ اگلے زمانے کی کہاوت تھی بگڑا شاعر مرثیہ گو اور بگڑا گویا مرثیہ خواں۔ اسی کی تقلید میں کسی (غیر موزوں طریقے پر) لکھا تھا کہ بگڑا (ناکام) تخلیق کار نقاد بن جاتا ہے۔ یہ سچ ہو کہ نہ ہو کہ اس کا اُلٹا ضرور درست معلوم ہوتا ہے کہ عموماً اچھے نقاد کامیاب تخلیقی ادیب نہیں ہوتے گو ان کا مُنھ دیکھنے والے مُرید انھیں کتنا ہی اُڑانا چاہیں۔ اس مفروضے میں کچھ استثنا بھی ہیں جس کی روشن مثال ڈاکٹر محمد حسن ہیں۔ وہ تخلیق کے ایک شعبے ڈراما نگاری میں اتنے رسیدہ ہیں کہ ایوان غالب والا غالب انسٹیٹیوٹ انھیں غالب انعام دینے پر مجبور ہوا۔ واضح ہو کہ ڈراما نگاری کی اہمیت کسی دوسری صنف سے کم نہیں۔ کالی داس اور شکسپیر ڈرامے لکھ کر ہی آب حیات چکھ گئے۔ یونان میں ڈراما نگاروں کی اہمیت رزمیہ نگاروں سے کم نہ تھی۔ اُردو میں اچھے ڈراما نگار کمیاب اور ہیں۔ خوشی کی بات ہے کہ نقاد محمد حسن کے تخلیقی سوتے خشک نہیں ہوئے۔ ان کے متعدد ڈرامے شائع ہو کر خراج تحسین وصول کر چکے ہیں۔

موصوف کا ڈراما ضحاک بہت مشہور بلکہ معرکہ آرا ثابت ہوا۔ یہ پہلی بار عصری ادب شمارہ ۲۷-۲۸ بابت جنوری اپریل ۱۹۷۷ء میں شائع ہوا۔ اب جب کہ یہ کتابی شکل میں شائع ہو رہا ہے مصنف نے مجھ سے فرمائش کی کہ میں اس کا پیش لفظ لکھ دوں۔ میں خود کو اس کا اہل نہیں سمجھتا لیکن مصنف کے، جو میرے کرم فرما ہیں، امتثالِ امر پر مجبور ہوں۔

جیسا کہ میں نے ابھی کہا کہ یہ ڈراما معرکہ آرا بلکہ معرکہ خیز ہے۔ اس پر کچھ

Scanned by CamScanner

اعتراضات کئے گئے ہیں۔ اگر میں انھیں دری کے نیچے کھسکا کر ان سے چشم پوشی کروں تو حقیقت دھندلائی رہے گی۔ میں ان سے آنکھیں چار کرنا چاہتا ہوں۔

عصری ادب میں ڈرامے کے آخر میں نوٹ ہے۔

"ایمرجنسی کے دوران لکھا ہوا اسٹیج ڈراما جو شائع ہونے کی توقع کے بغیر لکھا گیا تھا۔"

غالب ایک بار اداکاری کر چکے ہیں۔ انھوں نے ظاہر کیا تھا کہ دستنبو دورانِ قید میں گھر کا دروازہ بند کر کے اپنی سرگزشت اور روزانہ مشاہدے کے مطابق لکھی تھی۔ دراصل اس میں زمانہ سازی کے ساتھ ڈوبتے سورج کی تحقیر اور ابھرتے سورج کی تعریف تھی۔ ضحاک کے مصنف پر بھی معاندوں بلکہ بعض دیانت دار مشکلوں کو بھی یہی شک ہوا کہ یہ ڈراما حالات کا رُخ دیکھ لینے کے بعد لکھا گیا ہے۔ میرے ایک سابق شاگرد ڈاکٹر اخلاق اثر نے ۱۵ر جنوری ۱۹۷۹ء کو مجھے ایک خط میں لکھا۔

"یہ میرے علم میں ہے کہ انھوں نے ایمرجنسی کے زمانہ میں ابتدائی حصہ لکھا تھا اور میرے ایک شناسا کو سنایا تھا۔"

ابتدائے تصنیف کی تصدیق تو ہو گئی تکمیل کب ہوئی۔ اس کے بارے میں میں نے براہِ راست مصنف سے دریافت کیا جس کے بعد مجھے اطمینان ہو گیا کہ یہ ڈراما مکمل بھی ایمرجنسی کے دوران ہوا۔ انھوں نے ۲۱ر دسمبر ۱۹۷۹ء کے مکتوب میں مجھے بتایا کہ ڈرامے کے ابتدائی سین کا کچھ حصہ ۱۹۶۵ء یا ۱۹۶۶ء میں لکھا گیا ہے۔ ہند و پاک جنگ کے بعد اُردو کا بڑے سے بڑا شاعر نظمیں لکھ کر حکومت کی پالیسی کی خوشامدانہ حمایت کر رہا تھا اور یہی ڈرامے کی تصنیف کا محرک ہوا۔ اس وقت مصنف نے ڈرامے کا آغاز کیا لیکن چار چھ صفحے لکھ کر چھوڑ دیئے۔ ان کی تکمیل ایمرجنسی کے دوران ہوئی۔

مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ ڈرامے میں شاعر کے کردار کے پسِ پشت کون سخن سنج تھا۔

ڈاکٹر محمد حسن کے بیان کے مطابق وہ ستمبر ۱۹۷۶ء میں جواہر لال نہرو یونیورسٹی

کے کسی اجتماع میں یہ ڈراما سنانا چاہتے تھے لیکن ایک بہی خواہ نے مشورہ دیا کہ اسے مجمع عام میں ہرگز نہ پڑھا جائے۔ ڈاکٹر صاحب نے طلبہ کے کسی اجتماع میں اس کے ایک یا دو سین پڑھے اور آگے کا حصہ نہ سنانے کے لئے یہ حیلہ تراش دیا کہ ابھی ڈراما ناتمام ہے۔ میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر اخلاق اثر کے شناسا انھیں طالب علموں میں سے کوئی رہے ہوں گے۔ لیکن تخلیق کار کو تخلیق کرنے کے بعد اسے منظر عام پر لائے بغیر کب چین پڑتا ہے۔ اگلے ہی مہینے اکتوبر ۷۶ء میں چند مخصوص طلبہ اور دو ایک اساتذہ کو لے کر انھوں نے اپنے کمرے میں پورا ڈراما پڑھ کر سنایا۔ اس وقت تک تحریر و تقریر کی بندشیں ڈھیلی نہ ہوئی تھیں۔ فروری یا مارچ ۷۷ء میں یہ دلّی کے سری رام سنٹر میں اسٹیج کیا گیا۔

ان واضح شہادتوں پر باور نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ سب سے مضبوط اور روشن دلیل یہ ہے کہ وہ ڈرامے کو اس وقت کتابی صورت میں شائع کرنے پر مصر ہیں جب کہ وہی پارٹی برسر اقتدار آگئی ہے جو ایمرجنسی کا سرچشمہ تھی۔ کوئی زمانہ شناس یا بزدل یہ جرأتِ رندانہ نہ کرتا۔ ان کی احتجاجی جرأت کا مزید ثبوت چاہیے تو عصری ادب کے شمارہ ۳۹ - ۴۰ میں ان کے مضامین میں ایمرجنسی پر تنقید دیکھیے جو اندرا کانگریس کے برسر اقتدار آنے کے بعد کی گئی ہے۔

دوسرا اعتراض ہے کہ یہ ڈراما اختر شیرانی کے ڈرامے ضحاک یا اس کی ترکی اصل سے ماخوذ ہے۔ اس سلسلے میں زرد اخباروں میں جو بحثیں ہوئی ہیں وہ میری نظر سے نہیں گزریں لیکن ان کی بھنک میرے کان میں پڑی ہے۔ کہا گیا ہے کہ ڈاکٹر محمد حسن نے اختر شیرانی سے سرقہ کیا ہے لیکن اپنے ماخذ کا اعتراف نہیں کیا اختر شیرانی کا ڈراما کسے دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس کا ذکر ڈاکٹر یونس حسنی کے تحقیقی مقالے "اختر شیرانی اور جدید اردو ادب" میں ص ۳۲۸ سے ۳۳۷ تک میں ہے۔ یونس حسنی نے یہ کام حمیدیہ کالج بھوپال میں کیا تھا۔ اب وہ کراچی کے ایک کالج میں استاد ہیں۔ ان کی کتاب انجمن ترقی اردو پاکستان سے ۱۹۷۶ء

Scanned by CamScanner

میں شائع ہوئی۔

اختر شیرانی کے ڈرامے کے بارے میں یونس حسنی لکھتے ہیں۔

"یہ ایک ترکی ادیب سامی بک (ترکی تلفظ بے) کے ڈرامے کا ترجمہ ہے۔ جو رفیق عام پریس لاہور سے شائع ہوا تھا۔ کتاب پر سال اشاعت درج نہیں ہے یہ کتاب کمیاب ہے۔ یہ ڈراما ۱۹۲۷ء میں بالاقساط بہارستان میں شائع ہوتا رہا۔ اس لئے قیاس ہے کہ کتابی صورت میں ۱۹۲۸ء کے لگ بھگ شائع ہوا ہوگا۔"[1]

سامی بے نے یہ ڈراما "گاوے" کے نام سے ۱۸۷۷ء میں تصنیف کیا۔ اختر شیرانی ترکی نہیں جانتے تھے۔ انھوں نے اس کے کسی ترجمے سے ترجمہ کیا ہوگا ڈاکٹر اخلاق اثر لکھتے ہیں:

"میں اپنی کوشش کے باوجود سامی بے کا ڈراما اور اختر شیرانی کا ترجمہ حاصل نہیں کر سکا ہوں۔"[2]

ڈاکٹر محمد حسن پر سرقے کا اعتراض معترض کی کم نظری کا غماز ہے۔ ضحاک کا قصہ نہ اختر شیرانی کی جاگیر ہے نہ سامی بے کی۔ یہ فردوسی کے شاہنامے کے ابتدائی حصے کا ایک قصہ ہے جس سے ہر پڑھا لکھا واقف ہوتا ہے۔ ڈاکٹر محمد حسن نے ۲۱ دسمبر ۱۹۷۹ء کو ایک خط میں مجھے لکھا۔

"حقیقت صرف یہ ہے کہ حسنی صاحب کا تحقیقی مقالہ میری نظر سے اس Controversy کے بعد گذرا ہے۔ مجھے یہ مقالہ پاکستان میں انجمن ترقی اردو کے سکریٹری نے منجملہ دیگر مطبوعات کے ۱۹۷۷ء میں دیا۔ اس وقت ضحاک چھپ چکا تھا ..... میں نے جو کچھ ضحاک کے بارے میں لیا ہے وہ رجب علی بیگ سرور کی کتاب سے ماخوذ ہے اور اس میں نمک مرچ اپنے آپ لگایا ہے سامی بے

---

[1] ڈاکٹر یونس حسنی۔ اختر شیرانی اور اردو ادب۔ انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی ۱۹۷۶ء ص ۳۲۸

[2] ڈاکٹر اخلاق اثر۔ اردو کا پہلا ڈراما۔ مضمون ضحاک کا فکری و فنی مطالعہ بھوپال ۱۹۷۸ء ص ۶۲

سے میری واقفیت چند ماہ پرانی ہے۔"

اس طرح حقیقت خود مصنف کی زبانی افشا ہو گئی ہے۔ شاہنامے کا فارسی نثری خلاصہ شمشیر خانی ہے۔ رجب علی بیگ سرور نے اس کا ترجمہ سرورِ سلطانی کے نام سے کیا۔ ڈاکٹر محمد حسن کا ماخذ صرف یہ ہے۔ ان کے ماخذ میں ترکی ڈرامے کا نام لینا دور کی کوڑی لانا ہے۔ لیکن جہاں تک اختر شیرانی کے ڈرامے کا تعلق ہے محمد حسن کا ڈراما اس سے بہت مختلف اور بہت ترقی یافتہ ہے۔ جس طرح تاریخی ناول میں بنیادی پلاٹ اور کردار تاریخ سے لئے جاتے ہیں لیکن قصے کی جزئیات اور ضمنی کردار مصنف کے تخیل کی تخلیق ہوتے ہیں۔ اسی طرح سامی بے اور ڈاکٹر محمد حسن دونوں نے قصے کا ڈھانچا شاہنامے سے لیا اور اس میں ضمنی کرداروں اور واقعات کا اضافہ اپنے اپنے تخیل کے مطابق کیا۔

اختر شیرانی رومان پرست تھے۔ ان کے ڈرامے ضحاک کی روح رومانی ہے۔ انھوں نے اس میں ایک معاشقے کا شاخسانہ بھی نکال لیا ہے۔ اس کا ہیرو پرویز (فریدوں) جمشید کا نواسا ہے۔ خوب چہر جو ظاہر میں ضحاک کی بیٹی لیکن دراصل جمشید کی نواسی ہے۔ پرویز کی چچیری بہن ہے۔ پرویز بنتِ عم سے عشق کرتا ہے۔ چنانچہ ڈرامے میں عشقیہ اشعار اور غزل بھی ہیں اور کئی بڑے مترنم کورس بھی۔ ڈاکٹر محمد حسن کے ڈرامے کی روح بالکل مختلف ہے۔ انھوں نے بڑی چابک دستی سے ایک اساطیری واقعہ کو ایک سیاسی تمثیل بنا کر اسے ہندوستان کی ایمرجنسی حکومت پر چسپاں کر دیا ہے۔

اردو کے کئی مشہور قصوں پر کئی شخصوں نے طبع آزمائی کی اور ان میں سب سے پہلا لکھنے والا سب سے بہتر نہ تھا۔ چار درویش کے قصے کو تحسین نے بھی لکھا اور ان کے بعد میر امن نے بھی۔ امن کا ماخذ تحسین کا نسخہ ہی ہے۔ ان پر الزام لگایا گیا کہ انھوں نے اپنے ماخذ کا اعتراف نہیں کیا۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ باغ و بہار کے پہلے ایڈیشن میں امن نے برملا اعتراف کیا تھا۔ اس سے باغ و بہار کی وقعت

Scanned by CamScanner

میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ دیا شنکر نسیم پر الزام لگایا گیا کہ مثنوی گلزار نسیم کا ماخذ ریحان کی لکھی ہوئی مثنوی خیابانِ ریحان ہے۔ جس کا نسیم نے اعتراف نہیں کیا۔ بجا ہے۔ یہ مثنوی نسیم کی نظر سے ضرور گزری تھی اور اس کے بعض مصرعوں کا عکس گلزار نسیم کے مصرعوں میں جھلملاتا ہے۔ لیکن دونوں مثنویوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ایک مثال دیکھئے۔ بکاولی تاج الملوک کو خط لکھتی ہے تو ریحان کے یہاں یہ الفاظ ہیں۔

اے کبک خرام باغ یاری طاؤسِ جنانِ دوست داری
لکھوں الم فراق کی بات یا کثرتِ اشتیاق کی بات
جب سے نظر آئی تیری صورت ہے دل پہ عجب طرح کی حالت
کر جا مرے جی پہ مہربانی آ جا مری جان کی سوں جانی

پریوں کی خود سر شہزادی کو ریحان نے ہمہ نیاز بنا دیا ہے۔ اس کے برعکس گلزار نسیم میں دیکھئے۔ بکاولی کس بلندی اور کس تمکنت سے خطاب کرتی ہے۔

تو باغ ارم سے لے گیا گل تو مجھ سی پری کو دے گیا جل
بے رُخ ترے واسطے ہوئی میں فرخ ترے واسطے ہوئی میں
جو جو اسرار تھے نہانی سب تجھ سے سنے تری زبانی
کیا لطف جو غیر پردہ کھولے جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے
اب تک ہیں وہ خار جی کے جی میں جلد آ کہ ہے مصلحت اسی میں
داغوں پہ دیئے ہیں داغ تو نے دکھلائے ہیں سبز باغ تو نے
کانٹوں میں اگر نہ ہو الجھنا تھوڑا لکھا بہت سمجھنا

دیکھئے نسیم نے کس طرح بکاؤلی کے کردار کی تغییر کی ہے۔ پھر ریحان سے استفادہ کا الزام کیا معنی رکھتا ہے۔ ڈاکٹر محمد حسن نے بھی اختر شیرانی کے بعد ضحاک کے موضوع کو اسی طرح ترقی دی۔ اختر شیرانی کے یہاں محض رومانیت تھی۔ ڈاکٹر محمد حسن کے یہاں مقصدیت غالب ہے۔ میں نے حیدرآباد کی مرکزی یونیورسٹی کا ایم اے اُردو کا نصاب تیار کیا تو مجھے ڈرامے کے کورس کے لئے ایک ہم عصر ڈرامے کی تلاش

Scanned by CamScanner

ہوئی جو کرشن چندر اور راجندر سنگھ بیدی کے بعد کی نسل کی تخلیق ہو۔ میں نے ڈاکٹر محمد حسن کے ڈرامے ضحاک کو اپنے ڈھب کا پایا۔ اور فیصلہ کیا کہ یہ ڈراما ہماری ضروریات کے لئے موزوں ہے۔

اُردو نثر میں کسی نے شاہنامے کے قصوں کو دو یا تین چھوٹی جلدوں کی کتاب میں لکھا ہے۔ جب میں سیوہارے میں ساتویں یا آٹھویں درجے میں پڑھتا تھا میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا اور اس کے اہم کرداروں کے شجرے کو ذہن نشین کر لیا۔ اب معلوم نہیں ہو پاتا کہ وہ کون سی کتاب تھی اور اس کا مصنف کون تھا اس کتاب سے میرے ذہن میں ضحاک و فریدوں کے قصے کی جو جزئیات نقش ہیں ان میں اور ڈاکٹر محمد حسن کے بیان میں کچھ فرق پایا جاتا ہے۔ مثلاً جہاں تک مجھے یاد ہے شاہنامے میں ضحاک کے سانپوں کے لئے روزانہ دو انسانوں کے بھیجے درکار تھے۔ ڈاکٹر محمد حسن کے شیطان نے صبح شام دو دو انسانوں یعنی کل چار انسانوں کی تجویز کی ہے۔ لیکن ڈرامے کے آخری حصے میں روزانہ سات انسانوں کو شکار کیا ہے۔ سامی بے اور اختر شیرانی نے صرف بچوں کے مغز کھلائے ہیں۔ ڈاکٹر محمد حسن کے ڈرامے کے پلاٹ میں حسب ذیل واقعات ان کے اضافے معلوم ہوتے ہیں۔

۱۔ شیطان ضحاک کے روگ کا مداوا تجویز کرنے کے معاوضے میں اس کی رُوح کا سودا کر لیتا ہے۔ یہ خیال گیٹے کے ڈرامے فاؤسٹ سے لیا گیا ہے۔ پلاٹ کے آخری حصے میں اس سے فائدہ اٹھایا گیا ہے جب شیطان دوبارہ ظاہر ہو کر ضحاک کی رُوح کو اپنی بلک بتاتا ہے۔

۲۔ یہ بات راز رکھی جاتی ہے کہ ضحاک کے کندھے پر دو سانپ ہیں جنھیں ہر روز دو بار دو انسانوں کے بھیجے درکار ہیں جو اسے لب پر لائے گا وہ سر گنوائے گا۔

۳۔ فریدوں ایک بار ضحاک کا اسیر ہو کر اس کے سامنے لایا گیا ضحاک کی بیگم نوشابہ نے فریدوں کی تربیت اپنے ذمہ لے لی۔ رات کو فریدوں کو زنداں سے بلا کر اس سے بوس و کنار کی خواہش کی۔ فریدوں کے انکار پر اسے پھر جیل میں بھیج دیا گیا لیکن رات کو زنداں کے

Scanned by CamScanner

دروازے کھلے رکھے گئے جس سے فریدوں فرار ہوگیا۔ اس مجرم کی پاداش پر آخر میں نوشابہ بھی ماخوذ کر کے قتل کے لئے پیش کی جاتی ہے۔

ضحاک کا افسانہ قبل تاریخ دور کے ایرانی اساطیر کا حصہ ہے۔ مختلف روایات میں اس کی جزئیات میں اختلاف ہیں لیکن سب سے زیادہ معروف شاہنامے میں دیا ہوا قصہ ہے۔ ڈاکٹر محمد حسن نے ڈرامائی ضروریات کے تحت متعدد جزئیات اپنی طرف سے اختراع کر کے شامل کی ہیں۔

یہ یقینی ہے کہ یہ ڈراما ایک سیاسی تمثیل ہے۔ اس کا موضوع جبر و استبداد کے خلاف شدید احتجاج ہے۔ مصنف کے ذہن پر ایمرجنسی کا نقشہ طاری ہے اور یہ مسلسل تمثیل کے باریک پردے سے جھانکتا رہتا ہے۔ فوج، فن کار یعنی شاعر، رقص کار معلم، عدلیہ سب جفا کار کے ساتھ ہیں۔ سب کا ضمیر کچوکے دیتا ہے اور ایک بار مل کر اپنی اپنی ضمیر فروشی کا ماتم کرتے ہیں۔ لیکن خفیہ آنکھ سب کچھ دیکھتی ہے انھیں گرفتار کر کے جلاد کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

ایمرجنسی کے آئینہ دار ذیل کے جملے ملاحظہ ہوں۔

"پوچھنے والوں کی زبانیں گدی سے کھینچ لو۔ شک کرنے والے دل ان کے سینے سے چیر کر نکال لو۔ ہماری مملکت میں سوال مجرم ہے۔" ص ۴۱

"اور بچنل بات کو نقل کرنا جرم ہے۔" ص ۴۳[1]

یہ اس سیاق میں دیکھیے کہ ایمرجنسی میں ٹیگور، مہاتما گاندھی اور جواہر لال نہرو کے بعض اقوال نقل کرنا بھی ممنوع تھا۔

"تم میں سے کسی کا بھی قد تلوار سے لمبا نہیں۔" ص ۴۹

"پیداوار کی کمی کو پورا کرنے کے لئے آبادی کا کم کرنا ضروری ہوا تو مردوں کو آختہ کرایا۔" ص ۵۱

---

[1] صفحات کے نمبر عصری ادب شمارہ ۲۷، ۲۸ بابت جنوری تا اپریل ۱۹۷۷ء کے مطابق ہیں۔

ایمرجنسی میں علم وفن اور دوسرے محترم اداروں کی کس طرح تذلیل ہوئی تھی وہ اس ڈرامے میں دیکھیے۔ فوجی افسر سارا پردہ چاک کرکے سینہ زوری سے روز ان کی آنکھوں میں جھونک دیتا ہے۔

" تم اپنی چمک دار قباؤں اور اعزازات کی لمبی لمبی فہرستوں کے باوجود ہمارے غلام ہو غلام ـــــ اس سے آگے کچھ نہیں، کچھ بھی نہیں " ص ۴۹

پُرلطف چیز یہ ہے کہ مصنف نے جابجا گاندھی کے اقوال کو ایمرجنسی کی ضرورتوں پر خوب چسپاں کیا۔ قیدیوں کی آنکھوں پہ پٹیاں باندھی جاتی ہیں۔ کانوں میں روئی ٹھونسی جاتی ہے اور ہونٹ سی دیئے جاتے ہیں تاکہ وہ بُرا نہ دیکھیں بُرا نہ سنیں، اور بُرا نہ بولیں۔

ان جستہ جستہ جملوں سے استبداد کے خلاف مصنف کا چیختا احتجاج آئینہ نہیں ہوتا۔ ان کے عقیدے کی شدت اور ان کے بیان کا زور ڈرامے کے مطالعے ہی سے معلوم ہو سکتا ہے۔ دم بھر کو میں یہ فراموش کر دیتا ہوں کہ یہ ڈراما کس نے اور کب لکھا اور میں کہہ سکتا ہوں کہ اُردو کے تخلیقی ادب میں ایمرجنسی کے خلاف اتنا پُرزور، اتنا شدید، اتنا رچا ہوا اور ساری فضا پر چھایا ہوا احتجاج اور کہیں نہیں ملتا۔

ڈاکٹر محمد حسن اس ڈرامے میں حسب موقع اپنے مارکسی نظریات کا عرق لیمو چھڑکتے ہیں جس کی وجہ سے یہ ڈراما صرف ایمرجنسی کے خلاف نہیں بلکہ سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف بھی نعرۂ جنگ بن جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

" کم کام کرنے اور زیادہ اُجرت مانگنے والے مزدور اور کاہل کسانوں کو گورخر کی کھال میں زندہ سلوا دیا " ص ۵۱

" ایک دن محنت کا خونی جھنڈا اٹھائے اس کا گروہ ہمارے تخت کو اُلٹ دے گا " ص ۵۳

" زندگی بھر ان ہاتھوں نے ہل اور ہنسیا کے سہارے بنجر زمینوں میں بھی پھول کھلائے " ص ۵۹

" تم اور تمہارے کروڑوں، اربوں مفلس، نادار کسان، مزدور دوڑ میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں۔ تمہارے ہاتھوں کی کمائی دولت سے ہم نے تمہارے خلاف پوری

Scanned by CamScanner

دُنیا خرید لی ہے، سائنس ہماری غلام ہے، مذہب ہمارا دلال، علم و دانش پر ہماری ٹھیکیداری ہے۔ فوجیں، ہتھیار، فتوحات کے وسیلے، انصاف قانون سب ہمارے زرِ خرید ہیں۔ تم نہتّے ہاتھوں سے کب تک ان زبردست قوتوں کا مقابلہ کرو گے" ص ۴۳

"دن بھر تمہاری پچاس منزلہ عمارت کے ٹانڈ پر صلیب سے بندھے رہتے ہیں کہ تمہارے لئے محلات تیار کر سکیں، زمین کی اندھیری راتوں میں گھُس کر تمہارے آتش دانوں کے لئے کوئلہ اور تمہاری صنعتوں کے لئے تیل نکال لاتے ہیں۔ تپتی ہوئی بھٹیوں کے درمیان زندہ رہ کر تمہاری مشینیں چلاتے اور کارخانے آباد کرتے ہیں... جھلساتی دھوپ میں کھڑے ہو کر ہل چلاتے ہیں" ص ۴۴

"کیا سرکاری وردی پہن کر تم سب یہ بھول گئے کہ تم کسان اور محنت کش مزدور کے بیٹے ہو جنھیں کھیت، کھلیانوں فیکٹریوں اور بازاروں سے اغوا کر لیا گیا ہے کیا زندگی بھر دوسروں کے لئے خون اور پسینہ بہانے کے بعد بھی تم ایک لمحے کے لئے اپنے واسطے جینے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے" ص ۴۶

تاریخی ناول اور تاریخی ڈرامے میں مصنف کو یہ مشکل رہتی ہے کہ اس کی اضافہ شدہ جزئیات تاریخی حقائق کے دودھ میں تخیلیت کا پانی ملا دیتی ہیں۔ اگر ماضی کے بیان میں حال کے تہذیبی ارکان کو ٹانک دیا جائے تو اس کا جواز ہے کہ نہیں؟ خسرو پر اعتراض کیا گیا تھا کہ اس نے عہدِ وسطیٰ کے سپاہیوں کو انگریزی فوجیوں کی طرح وردی میں ملبوس کر کے پریڈ کرادی ہے۔ ڈاکٹر محمد حسن ایک قبل تاریخ دور کے دیو مالائی کرداروں پر لکھ رہے ہیں۔ بادی النظر میں اس میں اس قسم کی جدید ایجادات اور اداروں کا ذکر دیکھ حیرت ہوتی ہے۔

ٹیپ رکارڈ اور کیمرے ۳۵۔ آئین کے مطابق ۳۶۔ انجینئرنگ کالج، میڈیکل کالج ۴۶۔ نائب سربراہ (وائس چانسلر) اور سربراہ (چانسلر) ۴۷۔ توپوں کے دہانے ۵۶۔ ٹیلی فون ۶۳۔ مار بیے گولی ۶۸۔ عالمی عدالت کا سربراہ ۷۰۔ فوٹوگرافر ۷۲۔ مکالموں کے بیچ انگریزی الفاظ اور فقرے بے موقع اور غیر ضروری معلوم

Scanned by CamScanner

ہوتے ہیں کیونکہ ان کے بغیر آسانی سے کام چل سکتا تھا۔

State Secret ۱۹۸۱۔ لالن ۲۶ ۔۰ ج ۹۸ clear chat کی اور کے ۱۷۔ میں نے اپنی کٹنگ ڈاکٹر محمد حسن کو لکھ بھیجی۔ انھوں نے ۱۵ ر جنوری ۱۹۸۰ء کو ایک مکتوب میں مجھے لکھا۔

"جہاں تک جدید دَور کی ایجادات کے تذکرے کا تعلق ہے ،صورت یہ ہے کہ ڈرامے کی ایک پرانی روایت تھی اور ایک نئی ہے۔ پرانی روایت جو یونان سے لے کر شکسپیر اور ابسن تک جاری تھی یہ تھی کہ ناظرین کو ڈرامے پر اصل زندگی کا دھوکا ہو اور انھیں یاد ہی نہ رہے کہ وہ ڈراما دیکھ رہے ہیں۔ نئی روایت جسے جرمن ڈراما نگار بریخت نے شروع کیا یہ ہے کہ ناظرین کو قدم قدم پر یاد دلایا جائے کہ وہ ڈراما ہی دیکھ رہے ہیں، زندگی نہیں یعنی زندگی کا الیوژن توڑ دیا جائے۔ یہی روایت آج کل ڈرامے میں رائج ہے اور اس کو میں نے برتا ہے۔ خاص طور پر یہ اس لئے میرے مقصد کے لئے سود مند تھی یاد دلانا چاہتا تھا کہ ضحاک کا دَور ختم نہیں ہوا ہے اور یہ کسی پرانے دَور کی نہیں ہر دَور کی کہانی ہے۔ قدیم اساطیر میں جدید ایجادات کو ملا کر الیوژن توڑا بھی جا سکتا تھا اور اسے زمانے کی قید سے آزاد بھی کیا جا سکتا تھا۔ اسی لئے ٹیلی وژن، ریوالور وغیرہ کا ذکر ہے۔ یہ نادانستہ نہیں دانستہ اور شعوری ہے۔"

چونکہ میں نے جدید مغربی ادب کا مطالعہ نہیں کیا اس لئے میں بریختی ڈرامے سے واقف نہ تھا۔ میں نے اپنی یونیورسٹی کے انگریزی کے ایک اُستاد سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ اس صدی کے نصف اول میں بریخت نے ڈرامے کو جذباتی کے بجائے انٹلکچول بنا دیا۔ اس کی پیش کش میں حاضرین اور اداکاروں کے بیچ ایک مغائرت اور فاصلہ رہتا ہے۔ اسٹیج کے اوپر کبھی کوئی تبصرہ کرنے والا اسٹیج کے ایک کونے پر کھڑا ہو کر حاضرین کو مخاطب کر کے تبصرہ کرتا ہے۔ کبھی کسی اسکرین پر کچھ لکھ کر آجاتا ہے۔ غرضیکہ طرح طرح سے ڈرامے کا سحر توڑ کر سامعین کو غور و خوض کی دعوت دی جاتی ہے۔ اردو میں قدیم داستانی کرداروں مثلاً چہار درویش، سندباد جہازی، علی بابا، الہ دین وغیرہ کو دوسرے فنی

جدید دور پر منطبق کیا ہے لیکن وہ بالعموم مزاحیہ یا پیروڈی کا رنگ لئے ہوتا تھا۔ ڈاکٹر محمد حسن نے قدیم و جدید کے امتزاج سے قارئین کو جھنجھوڑ کر بتایا ہے کہ اس ڈرامے کا اطلاق عہد عتیق ہی پر نہیں جدید پر بھی ہوتا ہے۔

مصنف ایک موقع پر اردو کی جدید شاعری پر چھینٹا اڑاتے ہیں اور ان کا یہ طنز تبسم آفریں ہے۔

"شاعر ۔ ہر بات سمجھنے کے لئے کہاں ہوتی ہے۔ حسن معنی سے آزاد ہو چکا ہے۔" ص ۴۲

مصنف دو جگہ التباس کر گئے ہیں جس شخص کو وہ مقنن کہتے ہیں۔ بعد میں وہ جج ثابت ہوتا ہے۔ مصنف عدلیہ اور مقننہ کو ایک سمجھ بیٹھے ہیں۔ ص ۴۳ پر مقنن کہتا ہے۔

مقننہ آپ کی غلام ہے۔

ہم زیادہ سے زیادہ انسانوں کو پھانسی کی سزا دیں گے

وزیر و بکو اس ابن جج صاحب یہ عدالت نہیں ہے۔

ص ۴۴ پر پھر اس شخص کو مقنن اور جج کہا جاتا ہے۔ مقنن قانون بنانے والا ہوتا ہے جج عدلیہ کا رکن ہے۔

دوسرا التباس مذہب کے معاملے میں ہے میرے علم کی حد تک ضحاک زرتشتی تھا۔ اختر شیرانی نے اسکے مذہبی پیشوا کو موبد کہا ہے۔ اس لفظ کا اطلاق زرتشتیوں کے مذہبی پیشوا ہی پر ہوتا ہے لیکن ڈاکٹر محمد حسن نے اسے راہب کہا ہے۔ راہب کے معنی ہیں ترک دنیا (بالخصوص ترک خاندان) کرنے والا۔ راہب میں کسی مذہب کی تخصیص تو نہیں لیکن عام طور پر یہ لفظ کیتھولک پادریوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ مصنف نے کئی بار راہب کی زبانی خدا کے لئے مقدس باپ (ص ۴۰۔ ۵۵) کی اصطلاح استعمال کی ہے جو محض مسیحی تصور ہے۔ ص ۵۵ ہی پر راہب قیدی جوانوں کو میرے گلے کی بھیڑ کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔ یہ بھی مسیحی روزمرہ ہے۔ دوسری طرف راہب کہتا ہے۔

"ہمارے پچھلے جنم کا پھل ہوگا۔" ص ۴۸

بار بار جنم لینا عجم و عرب کا نہیں، ہندوستانی مذاہب یعنی ہندوؤں، بودھوں اور جین دھرم کا تصور ہے۔ ڈرامے میں قیدیوں کو اعزاز دینے کے لئے ان کی پیشانی پر صندل لگایا جاتا ہے۔ اس میں بھی ہندوئیت کی بو آتی ہے۔ سب سے بڑی حیرت یہ ہے کہ نوشابہ کہتی ہے۔

"کافر اور ملحد مجوسیوں کو فرقہ وارانہ فساد میں قتل کرنا پڑا۔" ص ۵۱

Scanned by CamScanner

مجوسی بھی زرتشتیوں کو کہتے ہیں لیکن اس نام میں قدرے تحقیر کا شائبہ ہے۔ ضحاک خود تو مجوسی نہیں تو اور کیا تھا۔

ڈرامے میں دو تین نظمیں اور کورس ہیں۔ ڈاکٹر محمد حسن شاعر نہیں۔ وہ نثری شاعری ضرور کرتے تھے اس لئے اس ڈرامے میں شامل ان کی نظموں میں بمشکل وزن کی تلاش کی جا سکتی ہے وہ نثری نظم کہلانے کے لئے مچل رہی ہیں۔ انھوں نے خالق عبداللہ کی بہت زوردار نظم نثر میں لکھی ہے (ص ۲۲) کاش وہ شاعر ہوتے اور اسے منظوم کر دیتے کیونکہ کورس نثری نظم میں نہیں گایا جاتا۔ اختر شیرانی کے ترنم ہیز کورسوں کے مقابلے میں انھیں کم از کم موزوں کلام تو پیش کرنا ہی چاہیے۔

محمد حسن نے اردو کی رومانی تحریک پر (خدا جانے وہ اسے رومانوی کہنے پر کیوں مصر ہیں) ایک اچھی کتاب لکھی ہے۔ اس ڈرامے میں انھوں نے ایسے شاعرانہ جملے اور پرزور عبارتیں لکھی ہیں کہ ادب لطیف کی تمام رعنائیاں بادیں لہرا جاتی ہیں۔ چند جملے

"فوجی افسر، کسی کا بھی قد تلوار سے لمبا نہیں۔" ص ۴۹

"نوشابہ: جسے آپ کانٹا کہتے ہیں وہ ہم سب کا مقدر ہے۔" ص ۵۱

"فریدوں، میں اس طرح مرنا چاہتا ہوں کہ میرے ہونٹوں پر انکار زندہ رہے۔" ص ۶۱

شاعر: تخیل کی ساری شمعیں روشن کر دو میرے دوستو۔ سچائی کے قدِ آدم آئینوں سے سارے نقاب ساری دھند کر دو۔ آؤ آج کی رات ہم اپنے بھیانک چہرے دیکھیں۔ قاتلوں سے زیادہ خوفناک، خونیوں سے زیادہ دہشت ناک چہرے۔

میں نہیں جانتا قابل نفرت کون ہے۔ مگر ہر لفظ مجھے ذلیل اور رسوا کرتا ہے۔ کورے کاغذ کا ہر صفحہ میرا منہ چڑھاتا ہے۔ قلم مجھے سولی پر چڑھاتا ہے۔ میرا ضمیر بے قرار ہے

جج: یہ سب تمھیں کیونکر معلوم ہوا؟ یہ تو میری آپ بیتی ہے شاعر ص ۶۸

اور اس طرح یہ ڈراما جوش کی شاعری کی طرح احتجاج و انقلاب کے شعلے کو ادب لطیف کی قوس قزح میں لپیٹ کر پیش کرتا ہے لیکن رنگینی گفتار کے باوجود گرمی گفتار میں کوئی کمی نہیں آتی۔ اس ڈرامے کے خاتمے کے یہ الفاظ ہمیشہ ہر قسم کے استبداد کے خلاف ہمیں عمل بنتے رہیں گے۔

"ضحاک ہر جگہ اور ہر زمانے میں پیدا ہوں گے۔"

"جہاں بھی ضحاک سر اٹھائے گا فریدوں کا یا اس کے کسی مظلوم بھائی یا بہن کا ہاتھ بھی ضرور اٹھے گا۔ ان لوگوں کے ٹانکے کاٹ دو۔ آؤ ہم نئے ضحاک کی تلاش میں چلیں۔"

Scanned by CamScanner

دیباچہ

ضحاک، عصری ادب میں ایمرجنسی کے خاتمے کے فوراً بعد شائع ہوا۔ احباب نے ڈرامے کی پذیرائی میں میری ہمت اور حوصلے سے بڑھ کر کی کسی نے اسے جدید اُردو ادب میں اضافہ قرار دیا کسی نے ایمرجنسی پر ہندوستان کا بہترین ڈراما بتایا بعض حضرات نے اس میں تحقیقی دلچسپی بھی لی اور اس کے زمانۂ تصنیف، ماخذ اور اس کے طبع زاد ہونے یا نہ ہونے پر بھی بحثیں چھیڑ دیں ایک بھرا پُرا مضمون بھی اس پر شائع ہو گیا میں سبھی کا ممنون ہوں۔

ادب کی اپنی جمہوریت ہے۔ ہر ایک کو اپنی پسند یا ناپسند کا حق حاصل ہے البتہ اب جب کہ میرے کرم فرما پروفیسر گیان چند جین نے اس ڈرامے کو اپنی یونیورسٹی کے نصاب میں شامل کیا ہے اور بقول شاعر "شعر ما بمدرسہ ببرد" پر عمل درآمد کر ڈالا ہے۔ ضروری ہے کہ میں اس ڈرامے کی تصنیف اور تکنیک کے بارے میں کچھ عرض کر دوں ڈراما شاملِ نصاب نہ ہوتا تو اس کے علیحدہ کتابی شکل میں چھپنے کی نوبت بھی نہ آتی مگر ضرورت ایجاد کو جنم دیتی ہے اس لئے کتابی شکل میں چھپتے گزارش احوال واقعی لازم ہے۔ تاکہ سند رہے۔ کون مطمئن ہوتا ہے کون مطمئن نہیں ہوتا۔ یہ اپنی اپنی توفیق پر منحصر ہے۔

ڈراما 'ضحاک' ابتدائی چند صفحات کے علاوہ تمام و کمال ایمرجنسی ہی کے زمانے میں لکھا گیا ہوا یوں کہ ایمرجنسی کے دور میں زبان بندی مکمل تھی۔ ہر صبح اخبار ہاتھ میں لیتے ہوئے شدید ذلت اور اہانت کا احساس ہوتا تھا کہ وہ شروع سے آخر تک سفید جھوٹ سے لبریز ہوتا تھا۔ لفظوں کے معنی بدل گئے تھے اور جو واقعات خود اپنی آنکھوں سے دیکھے ہوئے تھے وہ بھی یا تو سرے سے اخبار میں جگہ ہی نہ پاتے تھے یا کچھ کے کچھ ہو جاتے تھے۔ ہر روز کسی نہ کسی خوشامدی سے سابقہ پڑتا تھا جو محض خوشامد کے زور پر آقا بنا ہوا تھا اور میری روٹی روزی کا مالک تھا۔ غرض ہر لمحہ ایک

اذیت تھا۔ عصری ادب کا ہر لفظ سفر ہو رہا تھا۔ زبان پر تالے تھے۔ پڑوس میں رات کے پچھلے پہر کسی کے دروازے پر دستک ہوتی اور پھر وہ شخص کہیں نظر نہ آتا۔ کبھی معلوم ہوتا جیل چلا گیا۔ کبھی معلوم ہوتا کہ لاپتہ ہو گیا۔ ہر ہفتے کوئی نہ کوئی بتاتا کہ اسے صرف اس لئے تنخواہ نہیں ملی کہ وہ نس بندی کے لئے پانچ آدمیوں کو ہسپتال نہیں پہنچا سکا۔ ڈرائنگ روم میں، بس میں، سڑک پر لوگ سانس روکے ہوئے گزرتے تھے کہ پتہ نہیں کون جاسوس ہو، میرا بھی یہی حال تھا۔

اگست ۱۹۷۶ء میں جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے طلبا نے مجھ سے اصرار کیا کہ میں اپنا ڈراما انھیں پڑھ کر سناؤں، میں نے ڈراما ضحاک لکھنا شروع کر دیا تھا مگر ابھی پورا نہیں کیا تھا۔ طلبا کے اس مختصر جلسے میں پڑھنے سے پہلے میں نے اپنے کمرے میں اپنے رفیق کار ڈاکٹر صدیق الرحمٰن قدوائی کو اس ڈرامے کا ایک باب سنا کر ان سے مشورہ کیا انھوں نے رائے دی کہ ایمرجنسی کے حالات میں اس ڈرامے کو عام جلسہ میں پڑھنا خطرہ مول لینے کے مترادف ہے۔ جلسہ شروع ہوا تو میں نے اپنی نثری نظمیں سنانے پر اکتفا کیا۔ اصرار بڑھنے لگا تو ضحاک کا پہلا سین سنایا جس کے بعد اصرار اور زیادہ بڑھا مگر بہر حال معاملہ وہاں ختم ہو گیا۔

ستمبر ۱۹۷۶ء میں میں نے ضحاک مکمل کر لیا۔ ایمرجنسی اپنے شباب پر تھی، طلبا کا اصرار بھی بہت تھا۔ اب اس اصرار میں دوسرے احباب بھی شریک ہو گئے تھے چنانچہ میں نے اپنے کمرے میں بہت ہی منتخب احباب کے مختصر مجمع میں (جس میں چند طلبا بھی شریک تھے) پورا ڈراما پڑھ کر سنایا۔ احباب نے بہت تعریف و توصیف کی اور ساتھ ہی ساتھ اس کے نہ چھپ سکنے پر دلی رنج و غم کا اظہار بھی کیا۔ بلکہ ایک کرم فرما نے تو مجھے تنہائی میں یہ مشورہ بھی دیا کہ میں کسی آنے جانے والے کے ذریعے اسے یا تو براہ انگلستان یا براہ راست پاکستان بھجوا دوں تاکہ وہاں مصنف کے کسی فرضی نام سے اسے شائع کرا دیا جائے۔ بارے یہ ڈراما اسی طرح مکمل پڑا رہا۔

جنوری میں نیشنل اسکول آف ڈراما کے فارغ التحصیل چند طلبا نے ہم گروپ

بنایا اور اس ڈرامے کو اسٹیج کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اسے ہندی رسم خط میں منتقل کرنے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے طلبا کے ایک گروپ نے وجے شنکر چودھری کی سرکردگی میں اسے اسٹیج کرنے کا ارادہ کیا مگر سوال یہی تھا کہ اسے اسٹیج کرنے کی منظوری بھی مل سکے گی یا نہیں۔ اس زمانے میں اسٹیج کرنے سے پہلے ڈرامے کا مسودہ منظور کرانا ضروری تھا۔ سُنا تو یہاں تک گیا تھا کہ ابراہیم القاضی کے اپنے طلبا سے نیشنل آف ڈراما میں "دانتوں Dantan کی موت" جیسے ڈرامے اسٹیج کرانے پر بھی حکومت کو اعتراض ہونے لگا تھا۔ دانتوں انقلاب فرانس کا مشہور کردار تھا اور اس ڈرامے کا انقلابی آہنگ اور عصری معنویت خاصی واضح تھی۔ بہر حال اسی لیت و لعل میں ڈراما ضحاک کا مسودہ بھی پڑا رہا۔ نہ چھپا نہ اسٹیج ہوا۔

آخر کار جب ایمرجنسی کا پنجہ ڈھیلا پڑا تو مارچ ۱۹۷۷ کے آخر میں اس کی کتابت شروع ہوئی اور عصری ادب میں چھپنے سے کچھ ہی پہلے وجے شنکر چودھری نے اسے سری رام سنٹر کے اسٹیج پر کھیلا۔ ہم ڈراما گروپ اسے اسٹیج نہیں کر سکا۔ غرض اس ساری گفتگو سے اتنی ہے کہ ڈراما ضحاک شروع کے چند صفحات کے علاوہ باقی تمام و کمال ایمرجنسی کے دور میں تصنیف ہوا۔

کہانی

ظاہر ہے ضحاک کی کہانی نئی نہیں ہے۔ ضحاک کا پورا قصہ فردوسی کے شاہنامے میں موجود ہے اور نظم و نثر میں بار بار بیان ہوا ہے۔ اس میں نیا پن ہے تو اس سیاسی رمزیت میں ہے جو ضحاک کے کردار کو میرے ڈرامے میں حاصل ہو گئی ہے ضحاک کا قصہ فسانۂ عجائب والے رجب علی بیگ سرور نے اپنی تصنیف میں بیان کیا۔ ڈراما ضحاک میں اس کہانی کا صرف بنیادی ڈھانچہ لیا گیا ہے۔ یعنی ضحاک کا جمشید کے خلاف بغاوت کرنا اور اسے آرے سے زندہ چروا ڈالنا اور اس جنگ میں فتح یاب ہونے کے سلسلے میں شیطان کی مدد لینا اور شیطان کے اس کے کاندھوں کو بوسہ دینے کی وجہ سے ان شانوں پر دو سانپ اُگ آنا یقیناً طبع زاد نہیں ہے لیکن

Scanned by CamScanner

اس بنیادی ڈھانچے کے علاوہ جو واقعات اور کردار ڈراما 'ضحاک' میں آئے ہیں ان کا نہ شاہنامے سے کوئی تعلق ہے نہ رجب علی بیگ سرور یا کسی دوسرے مصنف کی بیان کردہ شاہنامے کی اس داستان سے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ اختر شیرانی نے سامی بے نامی کسی شرکی مصنف کے ڈرامے کا اردو ترجمہ 'بہارستان' میں بالاقساط شائع کیا تھا۔ مجھے یہ اعتراف کرنے میں ذرا بھی باک نہیں کہ یہ بات بھی میرے علم میں نہ تھی کہ کسی مصنف نے اس کردار کو سیاسی معنویت دی ہے۔ میں نہ حسنی صاحب کے اختر شیرانی پر تحقیقی مقالے کا ممتحن تھا۔ نہ میں نے ان کا مقالہ کہیں دیکھا جس سے یہ معلومات میرے علم میں آئی۔ حسنی صاحب کا مطبوعہ تحقیقی مقالہ مجھے میرے ڈرامے "ضحاک" کی اشاعت کے بعد ۱۹۷۷ء کے اواخر میں پاکستان جانے پر ملا اور اس تحقیقی مقالے میں سامی بے کے ڈرامے کے متعلق معلومات بھی ۱۹۷۸ء میں میری نظر سے گزریں۔ واقعہ یہ ہے کہ اول تو دونوں ڈراموں میں مماثلت بہت کم ہے۔ دوسرے جو بھی ہے وہ صرف اس بنا پر ہے کہ دونوں کا ماخذ شاہنامے کا واقعہ اور اس کے بعض کردار ہیں۔ پھر بھی اگر 'ضحاک' لکھتے وقت مجھے اس قسم کے کسی ڈرامے کا علم ہوتا تو شاید یہ ڈراما لکھا ہی نہ جاتا یا دوسری طرح لکھا جاتا۔ بہرحال مجھے قطعی طور پر سامی بے کے ڈرامے سے اپنی لاعلمی اور ناواقفیت کا اعتراف ہے۔

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ایمرجنسی کے دوران سانپوں کے انسانی کھوپڑیاں کھانے کا خیال کئی اور افسانہ نگاروں کو بھی آیا اُن میں سے بھی کوئی افسانہ میری نظر سے ڈراما لکھتے وقت یا لکھنے سے پہلے نہیں گزرا تھا۔ سلام بن رزاق کی کہانی "کالے ناگ کے پجاری" جو غالباً ۱۹۷۷ء ہی میں چھپی تھی۔ میری نظر سے ان کے مجموعے "ننگی دوپہر کا سپاہی" کی اشاعت کے بعد گزری۔

تناقصات:

ایمرجنسی سے زمانی ربط کی وجہ سے ڈراما 'ضحاک' کے بعض مضمرات جہاں واضح لئے وہاں بعض پہلو نظر انداز بھی کر دیئے گئے۔ مثلاً بعض احباب نے اس کے

مقصد کے بارے میں بھی سوالات پوچھے۔ ایک ایسے دور میں جب دانشوروں کی بھی خاصی تعداد مستقبل پر سے اعتماد کھو بیٹھی ہے۔ مثبت کی بجائے منفی فکر کی طرف ذہن کا منتقل ہونا تعجب کی بات نہیں ہے۔

تناقصات کی بحث سے پہلے شاید یہ بحث ضروری ہے کہ ڈراما ضحاک کم سے کم تین سطحوں والا ڈراما ہے پہلی سطح جو ضحاک۔ فریدوں اور نوشابہ کی سطح ہے جس کا قصہ ہے یعنی ظلم و جبر کے خلاف دو بے بس انسانوں کا آواز اٹھانا اور آخر کار فتح یاب ہونا یہ محض اتفاق نہیں کہ فریدوں محنت کش ہے اور نوشابہ کسان کی بیٹی ہے جسے اغوا کر لیا گیا تھا یہ اس کی دوسری سطح ہے۔ یعنی طبقہ واری کشمکش کی سطح جو واضح طور پر یہ اشارہ کرتی ہے کہ ظلم و جبر۔ خواہ وہ سیاسی ہو یا سماجی اور نظریاتی ـــــ صرف محنت کش اور کسان طبقے کی رہبری ہی میں ختم کیا جا سکتا ہے جو انقلاب اور سماجی انصاف کی راہ ہموار کرتے ہیں۔ تیسری سطح یہ بھی ہے کہ انسان نے صنعتی انقلاب کو نفع خوری اور استحصال سے جوڑنے کے بعد اپنے شانوں پر سانپ اگا لئے ہیں اور یہ وہ کابوس ہے جو خود اس کا پیدا کردہ ہے اور خود اسی پر سوار ہے بوڑھا (جسے میں نے گوئٹے کے فاؤسٹ سے مستعار لیا ہے) اس نظام کا نمائندہ ہے اور صنعتی نظام کے اس تشنج سے بچنے کے لئے جس نے فن کا احترام مذہب کا تقدس عورت کی عزت اور قانون کی حرمت کو تشدد طاقت اور روپے کے اوپر قربان کر ڈالا ہے۔ صرف محنت کش اور کسان کی رہبری ہی ذریعہ نجات فراہم کر سکتی ہے۔

اب اس مرکزی تصور کو سمجھ لینے کے بعد یہ واضح ہو جائے گا کہ ضحاک محض ایک دور کا کردار اور یہ ڈراما محض ایک دور کی کہانی نہیں ہے بلکہ اس کا دائرہ زمان و مکان کے قیود توڑتا ہوا آگے بڑھتا ہے۔ اسی بنا پر میں نے بھی یہ قیود جان بوجھ کر توڑ دیے ہیں۔ یوں بھی آج کا اسٹیج Representational اسٹیج نہیں جو اصل کا دھوکا یا نقل مطابق اصل پیش کرنے کے چکر میں پڑے۔ میں اس باب میں مشہور جرمن ڈراما نگار برتولت بریخت کا پیرو ہوں جس نے اس پر زور دیا کہ اسٹیج ڈراما دیکھنے

والوں کو بار بار یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ وہ محض ڈراما ہی دیکھ رہے ہیں۔ زندگی کا کوئی حصّہ ان کے پیش نظر نہیں نئے اسٹیج کا مقصد ناظرین کو اصل کا فریب فراہم کرنا نہیں ہے بلکہ اس فریب کو جھٹکے کے ساتھ توڑ کر انہیں جگانا اور انہیں غور و فکر پر مجبور کرنا ہے۔ اسی لئے بار بار ہزاروں سال پرانے واقعات پر مبنی اس ڈرامے میں ٹیلی ویژن پریس انٹرویو۔ کمپیوٹر اور دوسرے جدید مصنوعات اور ایجادات کا ذکر کرنا بار بار آیا ہے۔ فوجیوں کی وردیاں بھی نئی ہیں۔ مذہبی پیشواؤں کے لئے القاب و آداب میں بھی غلط مبحث جان بوجھ کر روا رکھا گیا ہے چاہتا تو اسے قدیم دور کی چیزوں تک ہی محدود رکھتا مگر مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ یہ ظلم و جبر۔ انسان کے بھیجوں کو سانپوں کو کھلانے کا رواج اور ہنر اور فن، مذہب اور قانون کی یہ تذلیل کچھ کسی ایک دور یا کسی ایک ضحاک تک محدود نہیں ہے جب تک زیر دستوں کی آقائی کا دور نہ آئے، اس وقت تک یہی داستان اسی طرح چلتی رہے گی۔ تیز تلوار کی جگہ توپ و تفنگ اور ہوائی جہاز اور ایٹم بم لے لیں گے اور قاصد جاسوس اور پرچہ نویس کی جگہ عوامی ترسیل کے ذرائع۔ اخبار ٹیلی ویژن اور ریڈیو وغیرہ ــــ لے لیں گے اور یہ داستان اسی انداز سے اس وقت تک جاری رہے گی جب تک محنت کش بڑھ کر اس نظام کو ختم نہیں کر دیتے اس لئے جو تناقضات بظاہر اس ڈرامے میں نظر آتے ہیں وہ جان بوجھ کر مقصدیت اور معنویت کے تحت رکھے گئے ہیں۔

اسی نئی تکنیک کے تحت آزاد نظم کو کورس کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ اردو ڈراما اکثر و بیشتر ابھی تک پیش کش کے پرانے طریقوں سے نہیں نکلا ہے۔ ضحاک میں اسٹیج کے نئے طریق کار اور نئی تکنیک کو برتنے کی کوشش کی گئی ہے جو اردو میں عام نہیں لیکن ہندوستان کی سبھی اہم زبانوں میں قبول کی جا چکی ہیں

اور ایک موج تہ نشین کی طرح دانش وروں اور فن کار، اہل علم اور اہل بصیرت کی خواری اور بے وقاری کا ماتم اس ڈرامے کا مرکزی تصور فراہم کرتا ہے۔ استحصالی

Scanned by CamScanner

نظام صرف عوام کو لوٹنا کھسوٹنا ہی نہیں بلکہ ارباب فکر و فن کو اور ان کے سبھی مقدس اور اعلیٰ اداروں کی تذلیل بھی کرتا ہے۔ ضمیروں کی خریداری کا المیہ اس کا موضوع ہے جسے آخری سین میں تعلیم، فن، قانون، علم اور مذہب کے ان رہنماؤں کی شکل میں پیش کیا گیا ہے جن کے لب سلے ہوئے ہیں اور جو آزادی کی بھیک مانگ رہے ہیں۔ استحصال نے انہیں اس حالت تک پہنچایا اور زیردستوں کی آقائی انھیں ان کی آواز اور وقار واپس دلا سکتی ہے۔

بہر اس ڈرامے کو کتابی شکل میں اشاعت کے لئے واگزار کرتے ہوئے ان تمام قدر دانوں کا ممنون ہوں جنہوں نے میری اس کاوش کو توجہ کے قابل سمجھا۔

محمد حسن

پروفیسر و صدر
ہندوستانی زبانوں کا مرکز
جواہر لال نہرو یونیورسٹی
نئی دہلی ۱۱۰۰۶۷
۹ر فروری ۱۹۸۰ء

Scanned by CamScanner

ضحاک

(انسانوں کے بھیجوں پر زندہ رہنے والے شہنشاہ کی کہانی)

کردار

ضحاک	فوجی افسر
نوشابہ	رقاصہ
فریدون	شاعر
بوڑھا	جج
وزیرِ اعظم	راہب
	(قیدی، درباری رقاصائیں اور سپاہی)

Scanned by CamScanner

پہلا سین

کورس:۔ ایک زمانے کا قصہ ہے
دُور دراز کے کسی دیس میں
ایک جوان نے سازش سے جمشید کو مارا
تخت ہتھیایا تاج اُتارا
پھر اس شاہنشاہ کو زندہ آروں سے چروایا
اس سازش میں اس کا ساتھی تھا شیطان
جس نے فتح کے موقعے
اس کے شانوں کو چوما تھا
آخر ان دونوں شانوں پر دو زہریلے سانپ اُگ آئے
جن کے پھن سے شانے زخمی
راتیں ویران اور دن بے چین
اور شامیں درد میں ڈوبی تھیں
سُنو، سُنو اے دُنیا والو
ایک زمانے کا قصہ ہے
دُور دراز کے کسی دیس کا ــ
آج بھی لیکن درد کا مارا
وہی لُٹیرا
وہی شہنشاہ
اپنے محل میں اسی طرح بے چین کھڑا ہے ـــــ

Scanned by CamScanner

(ضحاک کے سامنے رقاصہ ناچ رہی ہے بین کی دھن پر ضحاک کے کاندھوں پر اگے ہوئے دونوں سانپ بے خود اور مست ہیں رقاصہ کا جسم جواب دے چکا ہے وہ پسینے میں شرابور ہے سازندوں کے ہاتھ تھکن سے کانپ رہے ہیں دوسرے سازندے سامنے اپنے ساز لئے تیار بیٹھے ہیں اور دوسری رقاصہ گھنگھرو باندھ رہی ہے۔ اچانک بین کی بندھی ہوئی دھن ٹوٹ جاتی ہے اور دونوں سانپ ضحاک کے شانوں پر زور سے پھن مارتے ہیں ضحاک کرب سے چیخ اٹھتا ہے)

ضحاک:۔ نمک حرامو! دفع ہو جاؤ میری نظروں سے دور جاؤ۔

وزیر:۔ جہاں پناہ۔ غلام کچھ عرض کرنا چاہتا ہے۔

ضحاک:۔ ہرگز نہیں! ہم کچھ نہیں سننا چاہتے نمک حرام! ذلیل کتو! تم اپنے آقا کی تکلیف دیکھتے ہو اور اس کا کوئی مداوا نہیں کرتے۔

سب:۔ ہماری بدقسمتی! آقا

ضحاک:۔ تم اپنے شہنشاہ کا کرب دیکھتے ہو اور تمہارے پتھر دل خون ہو کر نہیں بہتے لعنت ہے تم پر۔ تم سب پر۔

سب:۔ بے شک ہم مجبور ہیں۔

ضحاک:۔ یہ سب جھوٹ ہے فریب ہے تم سب بہروپئے ہو۔ تم مجبور نہیں ہو۔ انسان نے عناصر پر فتح پائی ہے پہاڑوں کو جھکایا پتھروں کو پانی کیا آسمان تک

Scanned by CamScanner

پروار کی۔ ہمارے شاعروں، فن کاروں نے انسانی بصیرت کے گہرے رموز اپنے گیتوں میں ڈھال دیئے، ہمارے فلسفیوں نے زندگی کے چہرے کے سارے نقاب چاک کر دیئے، ہمارے طبیبوں نے موت پر فتح پانے کے منصوبے بنائے تم ہمارے سامنے مجبوری کا جامہ پہن کر آئے ہو۔ تم مجبور ہو! مسخرو!

وزیر۔ عالم پناہ کے غلام آپ کے صحت کے لئے اپنی جان قربان کرنے کو تیار۔

ضحاک۔ تم اندھے ہو تم نہیں دیکھتے کہ یہ دونوں سانپ کس بے رحمی سے ہمارے شانوں پر پھن مارتے ہیں۔ تم بہرے ہو کہ تمہارے کانوں تک ہماری درد میں ڈوبی کراہ نہیں پہنچتی تمہارے بے حس و حرکت دل ہمارے شانوں سے بہتے ہوئے خون کے ساتھ نہیں رستے۔

وزیر۔ جہاں پناہ! روئے زمین کے تمام باکمال طبیب اپنی تدبیروں میں ناکام ہو چکے، تمام ساحر اور جادوگر، مذہبی اور روحانی پیشوا اپنی آبرو کھو چکے اعلیٰ ترین دماغ تھک گئے اور انسانی علم و دانش اپنی شکست تسلیم کر چکی۔

ضحاک۔ (سانپ پھر پھن مارتے ہیں) کرب سے بے قرار ضحاک کو ان باتوں سے کوئی دلاسا نہیں ملتا۔ کوئی ہے جو اس درد کی دوا کرے، کوئی ہے جو اس اذیت کا درماں لائے۔

(کوئی جواب نہیں ملتا)

کوئی جواب نہیں دیتا۔ کوئی نہیں بولتا

(رقاصہ آگے بڑھتی ہے مگر ضحاک اسے ہاتھ کے اشارے سے روک دیتا ہے) اگر تو اور تیری ساری سہیلیاں رات دن ناچتی ہیں ناچتے ناچتے شل ہو جائیں مر جائیں تو بھی میرے درد کا درماں نہیں ہوگا بے رحم سانپ تیرے سنگیت سے بھی اکتا جائیں گے اور ہمارے شانوں کو لہولہان کر دیں گے۔ (شاعر آگے بڑھتا ہے اور قصیدہ

سنانے کے لئے کاغذ ہاتھ میں لئے تخت کے قریب آتا ہے)
شاعر! تیرے الفاظ کھوکھلے سکے ہیں ہمارے درد کا درماں ان سے
ممکن نہیں۔ تیرے جذبات کو کھلے تیرے استعارے بے روح۔
(شاعر پیچھے ہٹ جاتا ہے) کوئی ہے جو اس درد کی
دوا کرے، کوئی ہے جو ہماری اذیت کا درماں لائے
(ایک دم چیخ اٹھتا ہے) اپنے جاہ و جلال کی قسم، سنتی ہو پتھروں
کی مورتیو! ہمارے سوال کا جواب نہ ملا تو دربار خاص کی زمین
تمہارے خون سے رنگ جائے گی ہمیں تخت و تاج کی قسم، ہم کسی کو
معاف نہیں کریں گے۔
(سب خاموش رہتے ہیں) سب خاموش ہیں۔ یہ خاموشی! یہ
جاہلانہ سکوت! یہ احمقانہ بے زبانی۔ ارشاد سلطانی کی توہین ہے

وزیر۔ رحم! عالم پناہ رحم!
ضحاک۔ ہرگز نہیں۔ اس لفظ کو ہماری مملکت سے جلا وطن کر دیا گیا۔ چوبدار
کو حکم دو قلعے کی دروازے کھول دیں دربار عام اور دربار خاص کے
ایوانوں سے پہرے ہٹا لئے جائیں اور ہمارے اعلان کی آواز راجدھانی
کے کونے کونے میں گونج اٹھے۔
(اعلان کے طور پر دوبارہ کہتا ہے) کوئی ہے جو ہمارے درد کی دوا
کرے۔ کوئی ہے جو اس اذیت کا درماں لائے۔ میرے سوال کا جواب
نہ ملا تو جاہ و جلال کی قسم ہم اس شہر کے ایک ایک باسی کو قتل کر دیں
گے اور راجدھانی کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے پورا شہر جل کر راکھ
ہو جائے گا۔ شہر کے باسیو! ہم تمہیں آخری بار آگاہ کرتے ہیں ہمارے
درد کا درماں! ہماری اذیت کی دوا! یا موت!! ہمارے لئے زندگی یا سب
کیلئے موت (تھوڑی دیر مکمل خاموشی رہتی ہے۔ دروازے کے قریب

مجمع میں ہل چل پیدا ہوتی ہے۔ ایک بوڑھا آگے بڑھنا چاہتا ہے
اور شاہی چوبدار اسے روکنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں)

ضحاک:۔ آنے دو۔

(چوبدار بوڑھے کو چھوڑ دیتے ہیں)

پاگل بوڑھا:۔ ہاں ہم جانتے ہیں۔ صرف ہم جانتے ہیں۔

(ایک پاگل بوڑھا اندر آتا ہے اس کی پتھرائی آنکھیں اس کے
ماتھے اور چہرے پر چٹانوں کے ناخنوں کے زخم اور خراشیں ہیں
اس کے تار تار بوسیدہ بدبودار کپڑے، بدرنگ داڑھی، الجھے
ہوئے گندے بال سب اس کے فاتر العقل ہونے کی گواہی دے
رہے ہیں)

ضحاک:۔ بوڑھے کیا تیرے پاس ہمارا درماں ہے۔

بوڑھا:۔ (ہانپتے ہانپتے اپنا سانس ٹھیک کرنے کے لئے رکتا ہے کچھ کہنے کی
کوشش کرتا ہے مگر منہ سے آواز نہیں نکلتی سر سے اثبات میں اشارہ
کرتا ہے پھر سانس پر قابو پانے کے بعد کہتا ہے) ہاں۔ ان ہاتھوں
کی جھریاں دیکھو چہرے کی شکنوں پر غور کرو۔ ان میں سے ہر شکن میں
صدیوں کے تجربے چھپے ہوئے ہیں ہمیں تیری پراسرار بیماری کا علاج
معلوم ہے۔

ضحاک:۔ بتا! جلد بتا! پیر فرتوت! تو آخر کس لئے کا منتظر ہے۔

بوڑھا:۔ ضحاک! شہنشاہ مرچکا مریض زندہ ہے اور وہ طبیب کے سامنے دوا
کے لئے گڑگڑا رہا ہے۔

ضحاک:۔ خاموش گستاخ بڈھے! تیری زبان کھچوالی جائے گی۔

بوڑھا:۔ (ہنستا ہے) مریض طبیب سے پنجہ کشی چاہتا ہے۔ خوب! تیری موم کی
گڑیوں کے اس عجائب گھر میں اتنا دم نہیں کہ ہمارا بال بیکا کرسکے۔ تیری

Scanned by CamScanner

تلواریں ہمارے جسم کو چھو نہیں سکتیں، تیری زنجیریں ہمیں باندھ نہیں سکتیں
تیرے توپ تفنگ ہمیں گزند پہنچانے سے عاجز ہیں۔ تو ہمیں مارنے پر
قادر ہے تو جا پہلے اپنے شانوں کے ان دو اژدہوں کو ختم کر دے۔

(مڑ کر چلنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے)

ضحاک:۔ اے روکو (سانپ پھر پھن مارتے ہیں ضحاک بے قرار ہو کر چیختا ہے) بوڑھے
ہم تیری منت کرتے ہیں ہمیں شفا دے۔

بوڑھا:۔ مکمل شفا ہمارے اختیار میں نہیں ہاں تیری اذیت دور ہو سکتی ہے۔

ضحاک:۔ تو پھر اس اذیت کو دور کر دے۔ ہم تجھے زر و جواہر سے تول دیں گے۔

بوڑھا:۔ ٹھیک کہتے ہو شہنشاہ، مگر ہمیں زر و جواہر درکار نہیں۔ روز ازل سے ہم
صرف انسانی روحوں کا بیوپار کرتے آئے ہیں ہمیں تمہاری روح چاہیئے
اپنے بوڑھے اور جھریوں سے بھرے جسم کے لئے ایک جوان اور شاداب
روح۔ بولو ہم سے اپنی روح کا سودا کرنے کو تیار ہو۔ ایک لمحہ سوچو نہیں
سوچنا جرم ہے ہماری شریعت کا سب سے بڑا جرم۔

ضحاک:۔ (سانپ پھر پھن مارتے ہیں ضحاک درد سے چیخ اٹھتا ہے اور اسی چیخ میں
کہتا ہے) ہم تیار ہیں۔ ہم بالکل تیار ہیں مگر ہمیں اس اذیت سے نجات...

بوڑھا:۔ (ہنستا ہے) معاہدہ مکمل ہو گیا عمائدین دربار گواہ رہنا۔ ہم میں سے جو
اس معاہدے سے روگردانی کرے گا ابدی کرب اور عذاب میں مبتلا رہے
گا آبِ حیات کی بوندیں اسے سکون کی زندگی نہ دے سکیں گی جہنم کی آگ
اس کے گناہوں کو جلا نہیں سکے گی میٹھے پانی کے سمندر اس کی پیاس
نہ بجھا سکیں گے ستارے اسے راہ نہ دکھا سکیں گے چاند اور سورج اس
کی اندھیری راہوں میں روشنی نہ کر سکیں گے ـــــ ہم معاہدے کی شرط
پوری کرتے ہیں تیرے جسم کو آسودگی، سدا کی آسودگی اور تیری روح کو
کرب، ہمیشہ کا کرب ـــــ

ضحاک:۔ بوڑھے جادوگر! ہمارے کرب سے فائدہ اٹھانے کی کوشش ۔۔۔۔

بوڑھا:۔ شہنشاہ! مت بھولو تم مریض ہو۔ تیرے شانوں کے دونوں سانپوں کو صبح و شام انسانوں کا بھیجا درکار ہے۔ ان کا پیٹ بھرو تاکہ وہ تجھے ڈسنے سے باز رہیں۔ اپنی رعایا کے دو انسانوں کی قربانی پیش کرتا کہ تیرے شانے لہو لہان نہ ہوں۔

ضحاک:۔ مگر تو نے وعدہ کیا تھا کہ تو مجھے ان سانپوں سے نجات دلا دے گا

بوڑھا:۔ ہم نے کوئی وعدہ نہیں کیا۔

ضحاک:۔ جھوٹے، دغا باز، شیطان (تلوار کھینچ کر آگے بڑھتا ہے) تو ہمارے دربار سے زندہ نہ جا سکے گا، ہم تجھے قتل کر دیں گے۔

(بوڑھا اچانک دھواں بن کر غائب ہو جاتا ہے اور دیر تک ایک قہقہے کی آواز فضا میں گونجتی رہتی ہے)

ضحاک:۔ کیا تم سب لوگ اپاہج ہو؟ تم اتنے جری، بہادر، نڈر، امیر، سپہ سالار وزرا، اس بوڑھے کو روک نہیں سکے اسے پکڑ کر تہہ تیغ کرنے سے معذور رہے۔ ایک بوڑھا جادوگر جلال شاہی سے کھیلنے کی جرأت کرے اور سزا نہ پائے۔ بزدلو! تمہیں اس کی سزا ملے گی۔

وزیر:۔ شہنشاہ! ہم نے کسی بوڑھے کو نہیں دیکھا۔

ضحاک:۔ تم نے اس کا وحشت ناک قہقہہ بھی نہیں سنا! تم نے اس کی آنکھوں میں بھڑکتے ہوئے شعلوں کا ناچ بھی نہیں دیکھا۔ تم سب جھوٹے ہو

سب درباری:۔ شہنشاہ عالم پناہ! ہم کو جلال شاہی کی قسم ہم نے کسی بوڑھے کو نہیں۔

ضحاک:۔ تو کیا ہم یقین کر لیں کہ تم نے کچھ نہیں سنا۔

سب درباری:۔ ہم نے کچھ نہیں سنا۔

ضحاک:۔ کیا ہم یقین کر لیں کہ تم نے یہ بھی نہیں سنا کہ اس جادوگر شیطان نے ہمیں ہدایت کی ہے کہ ہمارے شانوں کے ان دونوں سانپوں کو صبح و شام انسانوں

کے تازہ بھیجے چاہئیں صرف اسی صورت میں ہمارے شانے ان کے زہریلے پھنوں سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

وزیر:۔ (حیرت سے) انسانوں کے تازہ بھیجے!

ضحاک:۔ مسخرو! تم اپنے شہنشاہ سے مذاق کرنے میں بھی نہیں چوکتے۔

چوبدار، دربار خاص کے دروازے بند کر دیئے جائیں (تلوار کھینچ کر مجمع پر ٹوٹ پڑتا ہے) ہمارا انتقام! اپنے شہنشاہ سے مذاق کرنے کا انجام (مجمع میں کھلبلی مچ جاتی ہے لوگ ادھر ادھر جان بچانے کے لئے بھاگنے لگتے ہیں۔ ضحاک وار پر وار کرتا ہے) ہمارے غیظ و غضب سے تمہیں کون بچا سکتا ہے؟ ظالمو، احسان فراموش کتو!

(سب لوگ ادھر ادھر ہو جاتے ہیں البتہ دو چوبدار سامنے آ جاتے ہیں اور ضحاک تلوار سے ان پر حملہ کرتا ہے۔ ایک زخمی ہو کر نیچے گرتا ہے دوسرا اسے سہارا دینے آگے بڑھتا ہے۔ ضحاک اس پر بھی حملہ آور ہوتا ہے۔ وہ بھی زخمی ہو کر تڑپنے لگتا ہے۔ ضحاک تلوار سے دونوں کی کھوپڑیوں سے بھیجے نکال کر شراب پینے کے کھلے پیالوں میں ڈال کر سانپوں کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ سانپ اس کے شانوں کو ڈسنا بند کر دیتے ہیں اور تھوڑی دیر میں وہ تکان سے گر پڑتا ہے اور سو جاتا ہے۔ سانپ پیالوں میں سے بھیجا کھاتے رہتے ہیں۔ ضحاک کو محو خواب دیکھ کر چھپے ہوئے درباری ڈرتے ڈرتے دوبارہ اکٹھے ہونے لگتے ہیں۔ وزیر اعظم آگے آگے ہے آہستہ آہستہ دبے پاؤں چلتے چلتے وہ سب نیم دائرے میں محو خواب شہنشاہ کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں جس کے ہر دو طرف دو مردہ لاشیں پڑی ہوئی ہیں۔ تھوڑی دیر تک سب سکتے کے عالم میں اسی طرح

خاموش رہتے ہیں۔ وزیر اعظم ایوان شاہی کا دروازہ کھولنے کا
اشارہ کرتا ہے۔ ایک ایک، دو دو کرکے سبھی درباری دروازے
سے باہر چلے جاتے ہیں۔ وزیر اعظم اکیلا رہ جاتا ہے اور خاموشی
سے ضحاک کو دیکھتا رہتا ہے۔ اس کی نظروں میں ہمدردی
افسوس اور ہیبت کی آمیزش ہے)

وزیر اعظم:۔ زمانے کو سبھی لفظوں کے معنی بدلنے پڑیں گے تاکہ میرے محسن شہنشاہ
کو قاتل نہ کہا جائے۔

پردہ گرتا ہے

NADEEM.IQBAL

Scanned by CamScanner

دوسرا سین

(شمع جل رہی ہے درباری جن میں وزیر کو مرکزی حیثیت حاصل ہے شمع کے اوپر ہاتھ رکھ کر قسم کھا رہے ہیں نہایت مقدس فضا کمرے میں چھائی ہوئی ہے شمع کے سامنے گدھ کا نشان بنا ہوا ہے جس کی سبھی لوگ پرستش کرتے ہیں۔)

راہب:۔ ہم مقدس گدھ کو گواہ بناتے ہیں۔

(سب یہ لفظ دہراتے ہیں)

کہ ہم (سب دہراتے ہیں) جب تک زندہ ہیں (سب دہراتے ہیں) جب تک ہمارے جسم میں جان ہے اور ہماری سانسیں ہمارے سینوں میں آتی جاتی ہے جب تک ہماری آنکھیں مقدس باپ کے بخشے ہوئے سورج اور چاند کو دیکھ سکتی ہیں جب تک سورج اپنے سنہرے رتھ پر سوار پورب سے نکلتا ہے اور پچھم میں ڈوبتا ہے جب تک ہماری ندیوں میں لہریں ہیں اور ہمارے سمندروں میں طوفان ہیں ہم سب اس راز کو راز ہی رکھیں گے کہ (سب وزیر کی طرف دیکھتے ہیں)

وزیر:۔ کہو! آگے کہو!

راہب:۔ کہ ہمارے شہنشاہ کے کاندھوں پر دو سانپ ہیں اور ــــ

وزیر:۔ اور ــــ

راہب:۔ اور ہر روز انھیں انسانوں کے بھیجے درکار ہیں (وزیر راہب کی گردن پر تلوار کا وار کرتا ہے خون کا فوارہ چھوٹتا ہے)

جو ان لفظوں کو زبان سے نکالے گا اس کا یہی انجام ہوگا۔ یہ State Secret ہے (ہاتھ سے اشارہ کرتا ہے خدمت گار لاش کو ڈھک دیتے ہیں اور فرش پر سے خون صاف کر کے واپس چلے

Scanned by CamScanner

جلتے ہیں ان کے کانوں میں لمبی ڈائیں لگی ہوئی ہیں اور منہ
برنقاب ہیں۔)

برامت کہو! برامت سنو! برامت دیکھو!! جرجان! آج سے تم
ہمارے مذہبی رہ نما ہو۔ ہماری ریاست کے راہب اعظم۔

جرجان:۔ میں! وزیر اعظم، میں!

وزیر:۔ ہاں تم، راہب کی قباشانوں پر ڈالو اور ہماری رہ نمائی کرو (ہاتھ بڑھاتا
ہے جرجان گھبرا کر ہاتھ پکڑ لیتا ہے) ہمارے بے قرار ضمیروں کو سکون دو۔

جرجان:۔ مگر! پریشان کن سوالات پوچھے جائیں گے جن کے جواب میرے پاس نہیں ہیں

وزیر:۔ سب سوالوں کے جواب صرف مہربان باپ کے پاس ہیں۔

جرجان:۔ مگر وہ پوچھیں گے

وزیر:۔ پوچھنے والوں کی زبانیں گدی سے کھینچ لو۔ شک کرنے والے دل ان کے
سینے چیر کر نکال لو۔ ہماری مملکت میں سوال جرم ہے جس کی سزا ملنی چاہیئے
جاؤ، ہم تمہیں ضمیر کی سرداری عطا کرتے ہیں۔

(جرجان، وزیر اعظم کی قبا کو بوسہ دیتا ہے اور وزیر اعظم خون سے
سنی ہوئی تلوار اس کے سر پر رکھ دیتا ہے)

وزیر اعظم:۔ حلف کی رسم پوری کی جائے۔

جرجان:۔ ہم سب اس راز کو راز ہی رکھیں گے۔

(سب ڈری سہمی آوازیں دہراتے ہیں)

جرجان:۔ جس راز کو (خوف سے وزیر اعظم کی طرف دیکھتا ہے) مقدس باپ نے
ہمیں سونپا ہے۔ مقدس گدھ ہماری مدد کرے۔

(سب لوگ آمین کہہ کر سر جھکاتے ہیں)

وزیر:۔ مگر اتنا کافی نہیں ہے۔

راہب:۔ اتنا کافی نہیں ہے۔

Scanned by CamScanner

وزیر:۔ سوچنا ہوگا کہ ہمارے ضمیر کس طرح مطمئن ہونگے۔ (شاعر کی طرف دیکھتا ہے)
شاعر:۔ ضمیر ایک کانٹا ہے جو ہمارے دلوں میں کھٹکتا ہے۔
استاد:۔ ہم اسے نکال پھینکیں گے۔ اس کانٹے کی کھٹک کون کم کرسکتا ہے؟
جج:۔ فقط قانون!
رقاصہ:۔ فقط نغمہ!
شاعر:۔ فقط شاعری!
راہب:۔ فقط مذہب!
فوجی افسر:۔ فقط طاقت کا استعمال!!
وزیر:۔ خاموش! جاہلو! ضمیر ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔ ہمارے سامنے اس سے زیادہ بھیانک سوال ہے۔ ہمیں ہر روز انسانوں کے بھیجے درکار ہیں سنتے ہو ہر روز صبح و شام!
جج:۔ مگر وزیر اعظم جانتے ہیں کہ ہمارے قید خانے قیدیوں سے بھرے ہوئے ہیں اور ان میں ایسے بھی ہیں جنھیں موت کی سزا سنائی جا چکی ہے۔
وزیر:۔ ہمیں معلوم ہے مگر ان کے بھیجوں سے کتنے دن کام چل سکتا ہے ہمیں مقننہ کا تعاون چاہیئے۔

جج:۔ عدالت آپ کی غلام ہے۔
وزیر:۔ نہیں ہم قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا نہیں چاہتے۔ ہم قانون کی عزت کرتے ہیں۔ قانون اقتدار کے ہاتھ کا کھلونا نہیں ہے۔ قانون سے کوئی بھی بلند نہیں ہے صرف ملک قانون سے بلند ہے۔ اور ملک کی عزت کی خاطر
جج:۔ (بات کاٹ کر) ہم زیادہ سے زیادہ انسانوں کو پھانسی کی سزا دیں گے تاکہ ملک کے مفادات محفوظ رہیں۔
شاعر:۔ مگر کب تک!
جج:۔ جب تک سورج مشرق سے نکلتا اور مغرب میں ڈوبتا ہے۔

Scanned by CamScanner

وزیر:۔ بکواس! جج صاحب یہ عدالت نہیں ہے مجھے آپ سے اس قدر احمقانہ تجویزوں کی امید نہ تھی۔

جج:۔ بجا فرمایا آپ نے! مگر میں آپ کی بات سمجھا نہیں۔

شاعر:۔ ہر بات سمجھنے کے لئے کہاں ہوتی ہے۔ حسن معنی سے آزاد ہو چکا ہے۔

راہب:۔ معنی صرف مذہب میں ہیں اس کے بغیر ہر شے مہمل ہے!

فوجی افسر:۔ وزیر اعظم! میری تجویز ہے غیر ضروری لفظوں کے استعمال پر پابندی ہونی چاہیئے۔

وزیر:۔ ہمیں آج پتہ چلا کہ ہمارے ملک میں عقل و دانش کا کتنا زبردست قحط ہے۔ آپ ہمارے مملکت کے چنے ہوئے لوگ ہیں جن کے ہاتھوں میں ہماری قوم کی باگ ڈور ہے مستقبل آپ کی طرف دیکھ رہا ہے آپ اس مملکت کے معمار ہیں اور آپ جیسے ذہین اور فاضل لوگ زندگی کی سنگین سچائیوں کو نہیں دیکھ سکتے۔ اگر آپ روز چار شہریوں کو پھانسی دیں گے تو شہر غصے اور نفرت سے اُبل پڑے گا۔ صرف آپ کے جلاد آپ کے پھانسی گھر ہمیں چاہیے فراہم نہیں کر سکتے کوئی اور تدبیر سوچنی ہوگی اس سے کہیں زیادہ موثر تدبیر!

راہب:۔ (دہراتا ہے) اس سے کہیں زیادہ موثر تدبیر!

وزیر:۔ میری باتوں کو بار بار مت دہرایئے۔

شاعر:۔ اوچھل بات کو نقل کرنا جرم ہے راہب اعظم!

وزیر:۔ اس کام کے لئے ملک کی پوری فضا بدلنی ہوگی، قانون بدلنا ہوگا۔ لوگوں کی ذہنیت بدلنی ہوگی، سماج کا ڈھانچہ بدلنا ہوگا کہ لوگ حقیقت کو پہچان سکیں۔ ہمیں اپنے لوگوں کو نئے سرے سے تربیت دینا ہوگی۔ ہمیں ایک نیا عہد اور ایک نئے عہد کا انسان بنانا ہوگا۔ ہمارے شاعر اس نئے انسان کے گیت لکھیں گے ہمارے فن کار اس نئے انسان کے نغمے گائیں گے ہمارے استاد اس نئی بصیرت کو گھر گھر عام کریں گے اور ہمارے مقنن اور

جج اس نئی بصیرت کی راہ سے الگ ہٹنے والوں کو سزا دیں گے اور ہماری افواج قاہرہ ہماری پولیس ہمارے محافظ دستے اس نئی آگہی اس نئے گلچری ہر گھڑی حفاظت کریں گے۔

شاعر:۔ میں اس نئی بصیرت کی ایک نئی جھلک دیکھنے کے لئے بے تاب ہوں!

رقاصہ:۔ میرے پاؤں اس کی تال پر ناچنے کے لئے بے قرار ہیں!

استاد:۔ ہمارے مدارس اس نئی تعلیم سے آباد ہونے کے لئے مضطرب ہیں!

راہب:۔ ہمارے عبادت خانے اس کی نئی آواز کے لئے تڑپ رہے ہیں!

وزیر:۔ ہم نہیں جانتے تم اس نئی آواز کو کیا نام دو گے ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ لوگوں کو مرنا سکھاؤ موت کو جاذب نظر، دل کش، حسین اور دلفریب بناؤ۔

شاعر:۔ موت اور حسین!!

وزیر:۔ ہاں موت ہی حقیقت ہے موت ہی عرفان ہے موت ہی مکتی ہے آج تک انسان زندگی کے دھوکے میں مارا مارا پھرتا رہا ہے آج ہم اسے سچائی بتانا چاہتے ہیں۔

استاد:۔ تو کیا ہم اپنے بچوں کو موت کا سبق پڑھائیں گے؟

رقاصہ:۔ کیا ہم موت کی تان پر ناچیں گے؟

وزیر:۔ مجھے سوالوں سے کوئی دل چسپی نہیں ہے۔ آج کا کام ختم ہوا۔ آج ہم اپنے تاریخی سفر کا آغاز کر رہے ہیں۔ تالیاں (سب لوگ اپنے کو بے اختیار تالی بجاتے ہوئے پاتے ہیں) تفصیلات آپ لوگ طے کر لیں ہمیں صرف نتیجے سے دل چسپی ہے۔ (رخصت ہوتا ہے)

(تھوڑی دیر سب لوگ خاموش رہتے ہیں جیسے کچھ سوچ رہے ہوں کوئی پہلے بولنا نہیں چاہتا۔ آخر شاعر بولتا ہے)

شاعر:۔ مجھے یہ نہیں ہوگا۔ شاعر آزاد ہوتا ہے۔ مجھے اس دنیا کی گندی حقیقتوں سے کوئی

Scanned by CamScanner

دل چسپی نہیں ہے میں قوم کا نہیں انسانیت کا ضمیر ہوں میں اپنے فن کی دنیا کا باسی ہوں اس بکھیڑے میں پڑنے سے انکار کرتا ہوں۔

فوجی افسر۔ کیا یہ لفظ محفوظ کر لئے جائیں؟

شاعر۔ محفوظ کیوں؟

فوجی افسر۔ تم ہمارے فن کی آبرو ہو۔ تمہارے نام سے ہمارا ملک تہذیب کی دنیا میں پہچانا جاتا ہے اس لئے ہم نہیں چاہتے کہ تمہارے لاثانی ہونٹوں سے جو بات نکلی ہے وہ ضائع ہو جائے۔ اس لئے اس کا انتظام کیا گیا ہے کہ تمہارا ہر لفظ محفوظ کر لیا جائے۔ وہ آنکھیں ہمیں دیکھ رہی ہیں وہ کان ہمیں سُن رہے ہیں۔

راہبہ۔ مقدس باپ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے۔

شاعر۔ مجھے معلوم ہے میں نے کہا ہی کیا ہے یہی نا کہ میں اپنے فن کی دنیا کا باسی ہوں میں وہی لکھوں گا جو محسوس کروں گا اور میں وہی محسوس کروں گا (ایک دم لہجہ میں تبدیلی آتی ہے) جو مقدس باپ چاہے گا میرے گیت میرے ملک کے لئے ہوں گے۔ میرے گیت اور تمہارے پاؤں کی جھنکار!

رقاصہ۔ ہاں میرے گھنگھروؤں کی جھنکار، میری آواز کا جادو، میرے سنگیت کا رس آج سے سب کچھ موت کی نذر ہے۔

فوجی افسر۔ موت کو اتنے حسین دلال کبھی نہیں ملے ہوں گے۔ (ہنستا ہے)

استاد۔ مجھے کچھ وضاحت درکار ہے۔

جج:۔ قانونی طور پر یہ بات درست ہے آپ کو وضاحت چاہنے کا قانونی حق ہمارے آئین کے مطابق حاصل ہے۔

استاد:۔ تعلیم و تدریس کا پیشہ شریف پیشہ ہے۔ تعلیم ہی نے ہمیں انسان بنایا ہے تعلیم حکومتوں سے بے نیاز ہوتی ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ انسان نے اپنے شاندار تہذیبی سفر میں جو کچھ بھی سیکھا ہے وہ آنے والی نسلوں کو

سکھائیں ان کے دماغوں میں صدیوں کے حاصل کردہ تجربوں کی روشنی پہنچائیں انھیں پرانی سچائیوں پر شک کرنے کی عادت ڈالیں، کہ وہ بڑھ کر ستاروں پر کمندیں ڈال سکیں تعلیم انسانی کردار کی تشکیل ہے ہمیں کوئی حق نہیں کہ ہم تعلیم کو وقتی مصلحتوں کا شکار بنائیں. کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تعلیم کو اس کا آگے آزاد چھوڑ دیا جائے؟

فوجی افسر:۔ (زوردار قہقہہ لگاتا ہے) نہیں! میرے دوست ہرگز نہیں!

استاد:۔ دلیل؟

فوجی افسر:۔ کیا نیا سماج نئی تعلیم کے بغیر بن سکتا ہے. اگر تلوار اس دنیا میں سب کچھ کر سکتی تو ہمیں استاد شاعر اور رقاصہ کی کیا ضرورت تھی؟ ہم انھیں تہہ تیغ کر دیتے اور ان کے خون سے چھاؤنی کے لان پر نئے پھول کھلاتے مگر ایسا نہیں ہے میرے دوست، ہمیں ضرورت ہے کہ نوجوان خوشی خوشی جان دے سکیں اور اسے زندگی سمجھیں تاکہ ان کے پیچھے شہنشاہ کے شالوں کے سانپ مزے سے لیکر کھا سکیں، ہماری درس گاہیں ایسی تعلیم سے گونجیں ہماری تجربہ گاہوں میں ایسے تجربے ہوں، ہمارے انجینئرنگ کالج اسی فن میں اور ہمارے میڈیکل کالج اس ہنر میں مہارت پیدا کریں. آپ ہماری سبھی درس گاہوں کے نائب سربراہ ہیں لیکن نہ بھولئے کہ ان سب کے سربراہ ہونے کا شرف شہنشاہ کو حاصل ہے! اور ابھی ہمارے کاندھوں پر ہمارے سرا در سروں میں بسی ہوئی تہذیبی قدریں سلامت ہیں!

استاد:۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم اپنی تعلیم گاہوں میں یہ پڑھائیں گے کہ دماغ انسان کی بیماری ہے ہمارے میڈیکل کالج دکھ درد کے بغیر بھیجوں کو انسانی دماغ سے نکال پھینکنے کے آپریشن کرنے کا تجربہ کریں گے ہماری تجربہ گاہیں بھیجے کے بغیر زندہ رہنے کے تجربے کیا کریں گی۔ اور انجینئرنگ کالج شاندار

مقتل اور چمکیلے آپریشن روم بنانے میں لگ جائیں گے۔

فوجی افسر:۔ (ہاتھ کے ڈنڈے سے استاد کے سینے پر اشارہ کرتا ہے) اور یوں ہوا تو ہماری حکومت آپ کے سینے کو جگمگاتے تمغوں سے سجا دے گی۔ ہم احسان فراموش نہیں ہیں۔

جج :۔ مگر سب سے بڑی مشکل قانون کے سامنے ہے قانون ہر مصلحت سے آزاد ہے ہم غیر جانبدار ہیں اور ہم حکومت وقت کو بھی معاف نہیں کر سکتے۔

فوجی افسر:۔ (طنز سے) بے شک!

جج :۔ جب تک قانون میں لچک پیدا نہ کی جائے ہم قتل کو معاف نہیں کر سکتے۔

فوجی افسر:۔ قتل کو ہرگز معاف نہیں کیا جانا چاہیئے مگر مملکت کے لئے قربانی قتل نہیں ہے۔

جج :۔ یہ قانون طے کرے گا!

فوجی افسر:۔ میدان جنگ میں دشمن کے سپاہی کا خون بہانا قتل نہیں ہے، بہادری ہے۔ کیوں؟ ایسا کیوں ہے؟!

جج :۔ یہ قانون ہے۔

فوجی افسر:۔ اور قانون (ڈنڈا گھماتا ہے) یہ بناتا ہے۔ آپ اپنی قانون کی کتابیں دوبارہ لکھ لیں جج صاحب! یہ پرانے لفظوں کے لبادے نئے حالات میں خطرناک ہو سکتے ہیں ان سے الجھ کر گرنا ہلاک ہو سکتا ہے۔

جج :۔ میں پوری ذمہ داری کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ قانون کو عوام کی خواہشات اور جمہوری تقاضوں کا ساتھ دینا چاہیئے مگر پھر بھی قانون ایک غیر جانبدار اور آزاد محکمہ ہے اسے حکومت کی مصلحتوں سے الگ رکھنا ضروری ہے۔

شاعر:۔ دوبارہ غور کر لیجئے، کیا آپ کا واقعی یہی خیال ہے؟

فوجی افسر:۔ آپ کی پہلی بات میں زیادہ وزن ہے قانون کو وقت کے ساتھ

بدلنا ہی ہوگا۔

جج :۔ ہاں یہ تو ہے۔ قانون عوام کے لئے ہے عوام قانون کے لئے نہیں ہیں۔ قانون داں جس طرح کے قانون بنائیں گے ہم اسی قسم کے فیصلے دیں گے۔

رقاصہ :۔ جس طرح کی دھن ہوگی اسی قسم کا ناچ ہوگا۔ (ہنستی ہے دوسرے بھی ہنس پڑتے ہیں۔

فوجی افسر :۔ ہم نہیں سمجھتے کہ اس میں کوئی ہنسنے کی بات ہے! (ایک دم سب سنجیدہ ہو جاتے ہیں) ملک خطرے میں ہے تم سب مذاق کرنے کی ہمت کیسے کر سکتے ہو۔ آخر تم سب لوگ ہماری مملکت کی آبرو ہو۔

راہب :۔ سنجیدگی صداقت کی روح ہے اور خوف روح کی موت! میں نہایت سنجیدگی سے آپ سب کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ہم اپنے فرض کو کسی خوف یا لالچ سے پورا کرنے کی کوشش نہ کریں بلکہ نیک نیتی اور خلوص سے اسے صداقت اور نیکی جان کر اپنا فرض ادا کریں۔ میری طرف دیکھئے (لرزتے ہوئے) میں بالکل خوف زدہ نہیں ہوں۔ میں جانتا ہوں جو کچھ ہوتا ہے وہ ہماری قسمت میں روز ازل لکھ دیا گیا تھا ہم جو کچھ پائیں گے ہمارے پچھلے جنم کا پھل ہوگا اس سے زیادہ نہ ہمیں کوئی سزا دے سکتا ہے نہ عزت بخش سکتا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ اپنے فرض کو اچھی طرح نبھائیں اور اپنے ضمیر کو آسودہ رکھیں!

فوجی افسر :۔ (تالی بجاتا ہے) بہت خوب! بہت خوب!

جج :۔ آئندہ سال کے خطابت کے بین الاقوامی مقابلے میں ہماری مملکت کی طرف سے راہب اعظم کو نمایندگی کرنی چاہیئے انعام ضرور ملے گا (راہب جھک کر شکریہ بجا لاتا ہے)

فوجی افسر :۔ ہم یہ بات واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ تم میں سے کسی کا بھی قد تلوار سے لمبا نہیں ہے اور تم اپنی چمک دار قباؤں اور اعزازات کی لمبی لمبی فہرستوں

کے باوجود ہمارے غلام ہو غلام ـــــ اس سے آگے کچھ نہیں۔ کچھ بھی نہیں (اچانک مڑتا ہے اور دروازے سے باہر نکل جاتا ہے)

(تھوڑی دیر پھر مکمل خاموشی رہتی ہے جو جس طرح بیٹھا ہے اسی طرح ساکت، مجسمے کی طرح منجمد اور ساکت ہو کر رہ جاتا ہے۔ سب ایک دوسرے کو اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے خلا میں دیکھ رہے ہوں یا دوسرے شخص کے آر پار دیکھ رہے ہوں۔ پھر اچانک نہ جانے کیا ہوتا ہے کہ شاعر اٹھ کھڑا ہوتا ہے جیسے سوچتے سوچتے تھک گیا ہے رقاصہ اسی کا ہاتھ پکڑ لیتی ہے اور اسے بٹھا دیتی ہے شاعر گانے لگتا ہے)

مت اٹھو
سر اٹھاؤ گے
تو یہ پتھریلی چھت جو سخت بھی نیچی بھی ہے
اٹھنے نہ دے گی
چوٹ آئے گی
رینگنے میں عافیت ہے، خیریت ہے
تھوڑے دن کی زندگی ہے زندگی یوں ہی سہی
اور اسی کا نام ہے دنیا میں راحت ـــــ!!
اور اسی کا نام ہے دنیا میں راحت ـــــ!!
اور اسی کا نام ہے دنیا میں راحت ـــــ!!

سب مل کر کورس کی شکل میں: اور اسی کا نام ہے دنیا میں راحت ـــ!!

(پردہ گرتا ہے)

Scanned by CamScanner

تیسرا سین

(رات آدھی سے زیادہ گزر چکی ہے فانوس روشن ہیں۔ ضحاک دونوں ہاتھوں سے نوشابہ کو پکڑے ہوئے ہے)

ضحاک:۔ نوشابہ، ہمیں تیرا جسم درکار ہے۔ (نوشابہ کے اوپری جسم کا لباس اُتار دیتا ہے۔ ضحاک اس کے شانوں پر بڑی محبت سے اپنے دونوں ہاتھ پھیرتا ہے) ایک دن تھا نوشابہ کہ تیرے شہنشاہ کے شانے بھی ایسے ہی صاف شفاف تھے ایسے ہی ملائم، نرم۔ ہر بوجھ سے پاک۔

نوشابہ:۔ میرے سرتاج!

ضحاک:۔ ہم نے کیا گناہ کیا ہے ملکہ، کہ یہ سانپ ہمارے شانوں پر ہمیشہ کے لئے مسلط کر دیئے گئے کہ یہ ہماری راتوں کی نیند اور دن کا چین حرام کر دیں۔ کون سا پاپ ہے جس کی بھیانک سزا ہمیں رات دن بھگتنی پڑ رہی ہے؟ کیا تیرا شہنشاہ گناہ گار ہے؟ کیا ہمارے چہرے پر پاپ کا کوئی نشان ہے؟ ربِ اعلیٰ کی قسم، ہمیں بتاؤ، کیا ہم پاپی ہیں؟

نوشابہ:۔ ہم گناہ کی طرف نہیں جلتے مالک، گناہ ہمیں تلاش کر لیتے ہیں۔

ضحاک:۔ ہم نے جمشید کے ملک کو فتح کیا اور اسے زندہ آروں سے چروا دیا ملکی انتظام کے لئے یہ قربانی ضروری تھی، ہم نے اپنے مخالفوں کے منہ بند کر دیئے کہ ملک نظم و ضبط کے بغیر ترقی نہیں کر سکتا، قلم کاروں کے ہاتھ کاٹ دیئے کہ مادرِ وطن کو ان کی ضرورت تھی۔ ملک کو ایک سرکاری زبان دینے کی خاطر ہم نے دوسری زبانیں بولنے والوں کی زبانیں کچوا لیں، کافر اور ملحد قبیلوں کو فرقہ وارانہ فساد میں قتل کرانا پڑا کہ دین کی حفاظت کے لئے ضروری تھا کم کام کرنے اور زیادہ اجرت مانگنے والے مزدوروں اور کاہل کسانوں کو گورخری کھال میں زندہ سلوا دیا کہ دوسروں کو عبرت ہو، پیداوار کی کمی

Scanned by CamScanner

کو پورا کرنے کے لئے آبادی کا کم کرنا ضروری ہوا تو مردوں کو آختہ کرایا عورتوں کے رحم نکلوا کر بھنکوا دیئے انصاف اور قربانی پر مبنی اپنی سلطنت کے استحکام کے لئے کونسا فرض تھا جو ہم نے پورا نہیں کیا، کونسی ذمہ داری تھی جس سے ہم نے منہ موڑا اور کونسا سخت سے سخت امتحان تھا جس پر اپنے محبوب عوام کی خاطر ہم پورے نہ اُترے ہوں!

نوشابہ:۔ ملک آپ کا شکر گزار ہے دنیا آپ کے گن گاتی ہے۔

ضحاک:۔ ثبوت!

نوشابہ:۔ ملک کے سبھی پرچہ نویس کہتے ہیں کہ ملک آپ کا شیدائی ہے، رائے عامہ کے رہ نماؤں کی تقریریں، ہمارے غیر ملکی سفارت خانوں کی رپورٹیں! سب آپ کا گیت گاتی ہیں۔

ضحاک:۔ ہم اپنے غلاموں سے سچ بولنے کی توقع نہیں کرتے۔

نوشابہ:۔ پھر سچ کیا ہے میرے مالک؟

ضحاک:۔ ہم نہیں جانتے ملکہ، مگر ہمارے دل میں ایک کانٹا ہے جو کھٹکتا ہے۔

نوشابہ:۔ جسے آپ کا نٹا کہتے ہیں وہ ہم سب کا مقدر ہے۔

ضحاک:۔ جانتی ہے تیرے ننگے جسم کی قسم، سچ ایک زخمی درندے کی طرح خوفناک ہے (ایک دم اسے لپٹا لیتا ہے) سچ ہے تو ہمارے شانوں پر بسن مارتے ہوئے سانپ یا تیرا نرم اور ملائم جسم! باقی سب کچھ جھوٹ ہے۔ رب اعلیٰ کی قسم، ہمیں اس جھوٹ سے بچالے۔

نوشابہ:۔ میرے مالک! (نوشابہ کو لپٹانا چاہتا ہے اک دم رک جاتا ہے)

ضحاک:۔ تیرا جسم کانپ رہا ہے، تیری آنکھوں میں خوف ہے، تیری آواز لرز رہی ہے دنیا کے سب سے بڑے سب سے زیادہ طاقتور شہنشاہ کی ملکہ خائف ہے تیرے ہونٹ بوسے کے لئے ہیں، سچ کے لئے نہیں، تو ہم سے خوف کھاتی ہے ہمیں پیار نہیں دے سکتی!

Scanned by CamScanner

نوشابہ:۔ یہ سچ نہیں ہے۔ کیا کوئی دنیا میں ایسا بھی ہے جو اپنے شہنشاہ سے محبت نہ کرتا ہو؟

ضحاک:۔ تو پھر ایسا کیوں ہے کہ ہر رات ہماری نیندیں کرب ناک ہیں، ہر رات وہی خوفناک بوڑھا اپنے بھیانک قہقہے کے بعد ہمیں خبردار کرتا ہے کہ سیستان کی پہاڑیوں کے اس پار ہمارا قاتل کسانوں کے قبیلے میں مفلسی اور عذاب کے سائے میں پل کر جوان ہو رہا ہے اور ایک دن محنت کا خونیں جھنڈا اٹھائے اس کا گروہ ہمارے تخت کو پلٹ دے گا۔ وہ کہتا ہے کہ اس دن ہماری توپوں کے دہانے ٹھنڈے ہو جائیں گے۔

نوشابہ:۔ وہ دن کبھی نہیں آئے گا۔

ضحاک:۔ ثبوت؟

نوشابہ:۔ سیستان کی پہاڑیوں کا ہر قبیلہ تہہ تیغ کر دیا گیا ہے اب وہاں خون کے چشمے کے علاوہ آبادی کا کوئی نشان نہیں۔

ضحاک:۔ (ایک دم چیخ اٹھتا ہے) پھر اس مسخرے سے پوچھو وہ ہمیں کیوں ڈراتا ہے آخر کیوں وہ ہمیں آسمانوں سے للکارتا ہے کہ یوم حساب قریب ہے۔

نوشابہ:۔ محض خواب ہے، محض خواب ہے! ایسا کبھی نہیں ہوگا میرے سرتاج!

ہزاروں سال آپ کی حکومت کی بنیاد خون اور فولاد پر اسی طرح قائم رہے گی کیا آج تک کبھی کسی مذہبی پیشوا، کسی قانون داں، کسی دانش ور، کسی فلسفی نے آپ کی حکومت کی لازوال نعمتوں کے خلاف لب ہلانے کی جرأت کی؟

ضحاک:۔ نہیں!

نوشابہ:۔ عوام آپ کے قصیدے گا رہے ہیں، ملک میں شہد اور دودھ کی نہریں بہہ رہی ہیں۔ قیمتیں گر رہی ہیں، آبادی کم ہو رہی ہے، لوگوں کی رگوں میں جاں نثاری کا وہ جذبہ ہے کہ ہر ریاست سے لوگ اپنی جان حکومت پر نثار کرنے کیلئے اپنے بھتیجے نذر کے لئے لا رہے ہیں مجھے یقین ہے ایسا منظر انسانی تاریخ نے کبھی اپنی

آنکھوں سے نہیں دیکھا کہ عوام نے کبھی کسی شہنشاہ کو اتنا پیار نہیں دیا بے مثال انوکھا، بے نظیر!

ضحاک:۔ ثبوت ؟

نوشابہ:۔ اگر یہ سب سچ نہ ہوتا تو کیا پوری سلطنت میں آپ کے خلاف احتجاج کی ایک آواز بھی نہ اٹھتی۔ جیل خانے نہ ٹوٹتے سڑکیں جلوسوں سے آباد نہ ہوتیں، سرکاری اسلحہ خانوں میں آگ نہ بھڑکتی۔

ضحاک:۔ (نوشابہ کو لپٹا لیتا ہے اس کے ننگے شانوں کو چومتا ہے اور لباس اسکے کندھوں پر ڈال دیتا ہے) کاش کہ تیرے شانوں پر میری طرح دو سانپ ہوتے۔ شاید تو میرا درد سمجھتی۔

(صبح چار بجتے ہیں۔ گھنٹہ بجتے ہی دونوں سانپ پھن مار مار کر ضحاک کے شانوں کو زخمی کرنا شروع کرتے ہیں۔ نوشابہ لباس پہن لیتی ہے اور دونوں شاہی مرصع کرسیوں پر جا بیٹھتے ہیں۔ خواب گاہ دل نواز نغمے سے گونج اٹھتی ہے اور سامنے کے دروازے سے نہایت پروقار وردیاں پہنے فوجی باڈی گارڈ موسیقی کی دھن پر مارچ کرتے ہوئے آگے آتے ہیں ان کے پیچھے وزیر ہے جس کے ہاتھ میں ننگی تلوار ہے جو ضحاک کی خونیں وحشت ناک آنکھوں کے سامنے آتے ہی تلوار کو سرنگوں کر کے سلامی دیتا ہے اس کے پیچھے زنجیروں میں بندھے ہوئے دس تندرست اور توانا نوجوان دو قطاروں میں کھینچ کھینچ کر آگے لائے جاتے ہیں شہنشاہ کے سامنے پہنچ کر یہ دونوں قطاریں آگے آجاتی ہیں فوجی سپاہی اور باڈی گارڈ ادب سے اِدھر اُدھر ہو جاتے ہیں اور وسط میں آکر فوجی افسر سلامی بجالاتا ہے پیچھے پیچھے جج، راہب، شاعر اور رقاصہ داخل ہوتے ہیں اور باادب کھڑے ہو جاتے ہیں)

Scanned by CamScanner

وزیراعظم:۔ سیستان کے صوبے کی طرف سے شہنشاہ کی خدمت میں آخری نذرانہ قبول ہو۔
(ضحاک سر کے اشارے سے قبول کرتا ہے)

وزیراعظم:۔ اجازت ہو تو ان کی آنکھوں سے پٹیاں ہٹائی جائیں، کانوں سے روئی نکالی جائے اور ان کے سیئے ہوئے ہونٹوں کے ٹانکے کاٹ دیئے جائیں۔

راہب:۔ جو اس لئے لگائے گئے تھے کہ وہ نجات پانے سے پہلے بری بات نہ کہیں بری بات نہ سنیں، بری بات نہ دیکھیں کہ ان کی روحوں کو نروان مل جائے۔

ضحاک:۔ اجازت ہے! (قیدیوں کے چہرے سے نقاب ہٹائے جاتے ہیں اور ہونٹوں کے ٹانکے کاٹے جاتے ہیں)

میرے بچو! ہمیں تم پر فخر ہے۔ جب تک دنیا میں حب الوطنی اور ایثار کا نام باقی ہے ملک اور قوم کے لئے تمہاری قربانی کا ذکر سنہری حروف میں کیا جائے گا۔ دنیا تمہیں یاد رکھے گی۔ زنجیریں کھول دی جائیں۔ (زنجیریں کھول دی جاتی ہیں)

دیس کے ان سپوتوں کو ہمارے لئے تیار کی ہوئی خاص شراب پیش کی جائے (شراب پیش کی جاتی ہے۔ قیدی زخمی ہونٹوں سے شراب پیتے ہیں)

مقدس راہب! کیا ہمارے بہادر بچوں کو ان کی عظیم قربانی کا مقصد سمجھا دیا گیا ہے۔

(راہب آگے بڑھتا ہے)

راہب:۔ میرے وطن کے عظیم سپوتو! ساری انسانیت آج تمہارے اوپر رشک کرتی ہے کہ تم جلد ہی نروان حاصل کرنے والے ہو۔ مقدس باپ نے اس لئے دنیا کو پیدا کیا کہ اپنے نور کو مختلف روپ رنگ میں نت نئی شکلوں میں ظاہر کرے۔ شیطان نے انسان کو ورغلا لیا اور اس کو ذہن کا غلام بنا دیا کہ اسے ہر شکل الگ الگ نظر آنے لگی جبکہ نروان کی دولت نے انسان کو اپنے گمراہ دماغ سے مکتی پانے کی قوت دی۔ انسان صدیوں سے اس لمحے کا منتظر تھا کہ وہ ورغلانے والے دماغ سے نجات پا سکے اور حقیقت کو

بے نقاب دیکھ سکے۔ ہمارے مذہبی راہبر اور ہمارے محبوب شہنشاہ نے پہلی بار ہماری منتخب اور برگزیدہ قوم کو یہ سعادت بخشی کہ وہ اعلیٰ ترین قربانی دے کر بھٹکانے والی زندگی کے مقابلے میں نروان دلانے والی موت کی عظمت کو پہچان سکے اور گمراہ کرنے والے بھیجے کو ملک اور قوم کی خاطر قربان کر کے حقیقت ابدی میں مل سکے جس میں ہمیشہ کا سکون اور سدا کی راحت ہے! میرے گلے کی بھیڑو! تم خوش نصیب ہو کہ راحت اور مسرت کی اس ابدی راستے پر روانہ ہو رہے ہو۔ رب اعلیٰ تمہاری مدد کرے۔

(سب آمین کہتے ہیں اور جھک کر تعظیم دیتے ہیں)

ضحاک :۔ ہمارے سپوتوں کو پیشانیوں کو صندل سے سجایا جائے اور ان کی گردنوں میں مہکتے گلابوں کے ہار پہنائے جائیں (تعمیل حکم ہوتی ہے) کیا قانون اپنا فرض پورا کر چکا؟

(جج آگے بڑھتا ہے)

جج :۔ انصاف اور سچائی پر قائم اس عظیم الشان سلطنت میں قانون کے محافظ کی حیثیت سے میرا فرض ہے کہ اپنے ہم وطنوں کو یقین دلاؤں کہ جبر ظلم اور ناانصافی کی ہمارے سماج میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ عدم تشدد اور جمہوریت کی بنیادیں ہمارے ملک میں ہوا سے زیادہ پرانی اور مٹی سے زیادہ گہری ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ ہم نے ہمیشہ آئینی طریقے اختیار کئے ہیں۔ میں بشارت دیتا ہوں کہ اس ملک کا ہر شہری آئینی حدود میں مکمل طور پر آزاد ہے میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہاری آزادانہ مرضی کے بغیر تمہارے اوپر کوئی فیصلہ صادر نہیں کیا جائے گا تمہیں یہ آئینی حق حاصل ہے کہ اپنے عزیز ملک کی خاطر اپنی جان قربان کرو۔ تمہیں یہ حق بھی حاصل ہے کہ اپنے گمراہ کرنے والے بھیجوں سے اپنے دماغوں کو خالی کر کے عرفان اور نروان کی تابناک راہوں کی طرف قدم بڑھاؤ۔

Scanned by CamScanner

(شاعر آگے بڑھتا ہے)

شاعر:۔ اے وطن کے سورماؤ! تمہاری شان میں لکھے ہوئے یہ قصیدے پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ لایق فخر ہے وہ دھرتی جس نے ایسے سپوت پیدا کئے میری آواز کے پھول اور میرے سنگیت کے ستارے تم پر نچھاور ہوں (نظم پڑھتا ہے جس کے ساتھ ہی رقص شروع ہو جاتا ہے رقاصہ ان کے اعزاز میں رقص کرتی ہے اور ان سب کی پیشانیوں کو چومتی ہے کہ اچانک سانپ ضحاک کے شانوں پر پھر زور سے پھن مارتے ہیں ضحاک کی آنکھیں تکلیف سے ابل آتی ہیں)

ضحاک:۔ ہم آخری بار تم میں سے ہر ایک سے پوچھنا چاہتے ہیں کیا تم اپنی مرضی سے اپنے ملک اور قوم کی خاطر قربانی دینے کو تیار ہو۔؟

راہب:۔ (آگے بڑھتا ہے) کہو میرے لئے اس سے بڑی سعادت کیا ہو سکتی ہے۔ مجھے اپنے ملک اپنی قوم اپنے شہنشاہ پر قربان ہونا منظور ہے۔

پہلا قیدی:۔ (آگے بڑھتا ہے اور راہب کے الفاظ دہراتا ہے) مجھے اپنے ملک اپنی قوم اپنے شہنشاہ پر قربان ہونا منظور ہے۔

دوسرا قیدی:۔ " " " " " "

تیسرا قیدی:۔ (آگے بڑھتا ہے اور راہب کے الفاظ دہراتا ہے) مجھے اپنے ملک اپنی قوم اپنے شہنشاہ پر قربانی ہونا منظور ہے۔

چوتھا قیدی:۔ " " " " " "

پانچواں قیدی:۔ " " " " (موسیقی بتدریج تیز ہوتی جاتی ہے)

(چھٹا قیدی آگے بڑھ کر ضحاک کے مقابل کھڑا ہو جاتا ہے)

راہب:۔ کہو مجھے اپنے ملک اپنی قوم اپنے شہنشاہ.....

چھٹا قیدی فریدوں:۔ (بہت اونچی آواز میں چیخ کر کہتا ہے) نہیں! میرا کوئی ملک نہیں میری کوئی قوم نہیں میرا کوئی شہنشاہ نہیں۔ نہیں! مجھے جان دینا

Scanned by CamScanner

منظور نہیں!! (ایک دم موسیقی بند ہو جاتی ہے)

(ایک دم فوجی افسر سپاہی فریدوں کو نرغے میں لے لیتے ہیں
فوجی افسر اپنی تلوار کی نوک اس کے سینے میں گاڑ دیتا ہے)

راہب:۔ مہربان باپ کے سامنے یہ گستاخی!

فریدوں:۔ میرے ہونٹ تمہارے ٹانکوں سے زخمی ہیں میرے ہاتھ پیر تمہاری زنجیروں سے گھائل ہیں (جج کی طرف دیکھ کر) مجھے آئینی آزادی دینے والے کیا تمہارا دستور مجھے جینے کی آزادی نہیں دے سکتا؟

راہب:۔ کیا تمہیں عرفان اور نروان کی ابدی راحت اور مسرت قبول نہیں؟

فریدوں:۔ نہیں! موت کے سوداگرو، مجھے زندگی چاہیئے۔ مجھے جینے دو!

راہب:۔ اپنے ملک اور قوم کی خاطر ــــ

فریدوں:۔ ساری دنیا میرا ملک ہے ساری دنیا کے مظلوم میری قوم ہیں۔

جج:۔ جہاں پناہ! اجازت ہو تو قانون اپنا فرض پورا کرے۔

فریدوں:۔ (خوفناک قہقہہ لگاتا ہے) قانون! ظلم کے ہاتھ کی تلوار کو تم قانون اور انصاف کا نام دیتے ہو۔

فوجی افسر:۔ گستاخی حد سے بڑھ رہی ہے بہتر ہے شہنشاہ کے حکم سے اسے خاموش کر دیا جائے۔

ضحاک:۔ اجازت ہے۔

(وزیر اعظم تلوار سے اشارہ کرتا ہے سپاہی نرغے میں لے لیتے ہیں
اور فوجی افسر ضرب لگانے کے لئے تلوار نکال لیتا ہے۔ ضرب لگانے
ہی والا ہے کہ نوشابہ کھڑی ہو جاتی ہے اور چیختی ہے)

نوشابہ:۔ ٹھہرو! اس کے خون کا ایک قطرہ بہا تو ہمارا پاکیزہ نظام مجرم ہو جائے گا
(ہم سب مجرم ہو جائیں گے)

(ضحاک پلٹ کر نوشابہ کی طرف دیکھتا ہے) پہاڑوں میں رہنے والے جنگلی قبیلے

Scanned by CamScanner

کا یہ نوجوان کسان تعلیم اور تہذیب کی روشنی سے محروم ہے۔ نہیں جانتا کہ عرفان کیسی نعمت ہے اور نروان کیسی سعادت۔ جرم اس کا نہیں ہمارے تعلیمی نظام کا ہے جو اسے علم کی برکتوں سے مالا مال نہ کر سکا۔

ضحاک:۔ اسے لے جاؤ۔ ہم اس وقت کا انتظار کریں گے جب تک دوسروں کی طرح یہ نوجوان بھی سچائی کی روشنی نہ دیکھ لے۔

نوشابہ:۔ مجھے اجازت ہو تو اس نوجوان کی تربیت کی ذمہ داری یہ کنیز قبول کرے اس کی آنکھیں بتاتی ہیں کہ اسے سچے علم کو حاصل کرنے کی سعادت ملنی چاہیئے۔

ضحاک:۔ اجازت ہے۔

(باقی قیدی اپنے سر جھکائے جلاد کے آگے کھڑے ہیں۔ ضحاک اٹھتا ہے اسی کے ساتھ ساتھ دوسرے اہل دربار اٹھتے ہیں جس طرح اور ترتیب سے جلوس آیا تھا اسی طرح واپس ہوتا ہے فرق صرف یہ ہے کہ ان کے ساتھ قیدی نہیں ہیں۔ قیدی سر جھکائے اسی طرح جلادوں کے سامنے کھڑے رہتے ہیں۔ جلوس کے بعد نوشابہ روانہ ہوتی ہے اور اس کے پیچھے فریدون کو سپاہی اپنی حراست میں لے کر چلتے ہیں۔ آخر میں صرف ضحاک رہ جاتا ہے وہ جلادوں سے مخاطب ہوتا ہے۔ لہجہ سخت اور آواز بلند ہے)

ضحاک:۔ اب ہم زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکتے !!

(بلند موسیقی کی دھنیں اسٹیج کو ڈھک لیتی ہیں اور آہستہ آہستہ روشنیاں گل ہونے لگتی ہیں ضحاک کے اسٹیج سے رخصت ہی اسٹیج اندھیرے میں کھو جاتا ہے اور اسی کے فوراً بعد تلوار گرنے اور گردنیں الگ ہونے کی بے رحم آوازیں موسیقی کو درہم برہم کرتی ہیں)

Scanned by CamScanner

چوتھا سین

(آتش دان میں آگ جل رہی ہے آگ کے شعلوں کی روشنی اور سائے فریدوں کے چہرے پر ناچ رہے ہیں وہ ایک ڈھیلی سی بے سلی چادر کو گاؤن کی طرح پہنے ہوئے کھڑا ہے جس میں جا بجا پیوند لگے ہیں آتش دان کے دوسری طرف فریدوں کے مقابل نوشابہ بیٹھی ہے فریدوں کے دونوں طرف سپاہی پہرے پر کھڑے ہیں کمرہ قالینوں اور قیمتی فانوس سے سجا ہوا ہے)

فریدوں:۔ ملکۂ عالم! آخر میں نے کیا قصور کیا ہے کہ مجھے موت کی سزا دی جا رہی ہے۔ زندگی بھر ان ہاتھوں نے ہل اور ہنسیا کے سہارے بنجر زمینوں میں بھی پھول کھلائے اور اناج کے دانے اُگائے۔ ان ہاتھوں نے بھوکوں کو کھانا دیا، ناتوانوں کو زندگی دی، کیا اس کا یہی انعام ہے؟ کہ مجھے بے قصور قتل کر دیا جائے۔ میں نے زندگی بھر کبھی کسی کا خون نہیں کیا، میں نے کسی کی جان نہیں لی۔ کیا میرا فقط یہی گناہ ہے کہ میں غریب ہوں میں ایک معمولی کسان ہوں، بے آسرا بے سہارا کسان!

(نوشابہ سپاہیوں کو اشارہ کرتی ہے۔ وہ دونوں چلے جاتے ہیں)

نوشابہ:۔ فریدوں! تیرے سرخ زخمی ہونٹ کتنے خوب صورت ہیں ہم انھیں چومنا چاہتے ہیں۔

فریدوں:۔ (حیران ہو کر) ملکۂ عالم!

نوشابہ۔ تو کسان ہے نا، تو کہتا ہے کہ تو نے زندگی بھر بھوکوں کو کھانا دیا، پیاسوں کی پیاس بجھائی، ناتوانوں کو توانائی دی، مرنے والوں کو زندگی دی ہم بھی پیاسے ہیں۔ قریب آ کہ ہم تیرے لبوں سے اپنی پیاس بجھالیں۔

فریدوں:۔ (جھک کر پیچھے ہٹ جاتا ہے)

Scanned by CamScanner

نوشابہ:۔ قریب آ، ہم حکم دیتے ہیں۔

فریدون:۔ مجھے یقین نہیں آتا۔ دنیا کی سب سے بڑی سلطنت کی ملکہ اور پیاسی۔

نوشابہ:۔ تو نہیں جانتا پاگل، یہاں ہر چیز پیاسی ہے۔ یہ خوب صورت قالین، یہ نقش و نگار سے سجی ہوئی دیواریں، یہ جگمگاتے فانوس، اس محل کی ایک ایک اینٹ، اس کے اندر بسنے والوں کا ایک ایک سانس پیاسا ہے اسی لئے تو ہمیں تیرے خون کی ضرورت تھی۔ دنیا کی سب سے عالی شان حکومت کے سب سے زیادہ طاقتور شہنشاہ کو ایک معمولی کسان بچے کا خون چاہیئے تھا اور تیرے گھائل ہونٹوں نے انکار کر دیا اب ہماری روح تیرے انہی ہونٹوں سے ایک گرم بوسے کی طلب گار ہے کیا تو یہ پیاس نہیں بجھا سکتا۔

فریدون:۔ ملکۂ عالم! مجھے نافرمانی پر مجبور نہ کیجئے۔

نوشابہ:۔ نوشابہ انکار نہیں سن سکتی۔

فریدون:۔ میری مجبوری کا مذاق نہ اڑایئے۔

نوشابہ:۔ ہم تجھے زندگی کا سب سے بڑا اعزاز بخشنا چاہتے ہیں تجھے انکار ہے بیوقوف نوجوان؟

فریدون:۔ (اپنی قبا ایک دم اتار کر نیچے گرا دیتا ہے) میرے جسم پر کوڑوں کے ان نشانوں سے پوچھئے جو تمہارے قید خانوں کا انعام ہیں، میری آنکھوں کی جلتی ہوئی پتلیوں سے پوچھو جنہیں عذاب دینے والوں نے ایک ایک پل نیند کے لئے کئی راتوں سے ترسا رکھا ہے جلتے ہوئے لوہے سے داغے ہوئے ان نشانوں سے پوچھئے، ان زخمی انگلیوں سے پوچھو جن کے ایک ایک ناخن کے درمیان پتلی کیلیں ٹھونکی جاتی رہی ہیں

نوشابہ:۔ اور یہ سب عذاب تجھے اتنا نہیں بتا سکا کہ انکار بے کار ہے۔

فریدون:۔ نہیں! میں اس طرح مرنا چاہتا ہوں کہ میرے ہونٹوں پر انکار زندہ رہے۔

Scanned by CamScanner

نوشابہ۔ ایک چیونٹی کی کائنات کے خلاف یلغار! ایک معمولی سے کیڑے کو
آسمانوں سے ٹکرانے کا حوصلہ!!

فریدوں:۔ میں کسی سے مقابلہ نہیں کرتا میں تو فقط اپنی مرضی سے جینے کا حق چاہتا ہوں۔

نوشابہ۔ اور اپنے ملک، قوم اور شہنشاہ کے لئے مرنے کی عزت!

فریدوں:۔ اس طرح موت آنی ہے تو کم سے کم یہ نہ کہا جائے کہ یہ موت میری مرضی سے ہوئی۔

نوشابہ:۔ (نرمی سے مسکراتی ہے) فریدوں، بیٹھ جاؤ۔ تم ہمارے مہمان ہو ہمیں
تم جیسے ہمت والے جیالے نوجوان پسند ہیں۔ ہم تمہاری صاف گوئی
کی قدر کرتے ہیں تم ہمیں نہیں جانتے، ہم تمہیں جانتے ہیں۔ سیستان
کی ننگی پہاڑیوں کے اس پار ایک ملگجی سی شام کو۔۔۔ (کورس داخل
ہوتا ہے جس کے آگے قصہ گو تاجیکی سی لباس پہنے ہوئے ایک
بوڑھا اپنی بھاری آواز میں گا رہا ہے)

'میں کچھ لوگوں کے بھاری قدموں کی
تیز آہٹ سن رہا ہوں
ہنہناتے ہوئے گھوڑے جن کی ٹاپوں میں آندھیاں بندھی ہوئی ہیں
ایک قدیم تاریخی آواز
شاید منگول آرہے ہیں (کورس دہراتا ہے)
ماضی کے ٹھنڈے مقبروں میں روحیں چیخ رہی ہیں
فاطمہ! کھڑکیوں کو سختی کے ساتھ بند کر دو
بچوں کو گود میں اٹھا لو
دروازے کو کھلا ہوا ہرگز مت چھوڑو
اب ہماری بیواؤں کے ساتھ

سرِ راہ زنا بالجبر کیا جائے گا
ہماری دوشیزاؤں کے کنوارے سینوں میں
جھنڈے گاڑ دیئے جائیں گے (کورس دہراتا ہے)
ایک بار پھر
برف سے ڈھکی ہوئی وادیوں اور سانپوں سے بھرے جنگلوں کی طرف
جانے کا وقت ہو گیا ہے'!! (نظم خالق عبداللہ)
("وقت ہو گیا ہے" کورس دہراتا ہے)

نوشابہ:۔ وہ فاطمہ میں تھی۔ دروازے توڑ دیئے گئے اور شاہی سپاہی ایک معصوم بچی کو جو خوف سے اپنی کسان ماں کی گود میں منہ چھپائے رو رہی تھی زبردستی کھینچ کر نیزوں کے سائے میں اپنے برق پا گھوڑوں پر ڈال کر لے گئے۔ یہ سپاہی بھی سبھی میری طرح کسان تھے میں نے بھی اس وقت ہمت کر کے انکار کیا تھا۔ میرا بھائی مجھے چھڑانے کے لئے سپاہیوں کے گھوڑوں کے پیچھے بھاگا اور نیزے کا شکار ہو گیا میری ماں نے ان سے رحم کی بھیک مانگی اور تلوار کے ایک وار سے تیورا کر گر پڑی۔ جب تک یہ کسان کی بچی میرے اندر جاگتی رہی میں انکار کرتی رہی۔ پھر ایک دن میں نے ملکہ کا تاج پہنا اور اس کسان بچی کی لاش کو گدھوں نے نوچ نوچ کر کھا لیا۔

فریدوں:۔ اتنا کچھ جھوٹ دیکھا ہے کہ سچ پر سے ایمان اٹھ گیا ہے، اتنا جھوٹ سنا ہے کہ سچ کی پہچان جاتی رہی۔

نوشابہ:۔ آج میں نے پھر ایک کسان کے زخمی ہونٹوں پر انکار کی آواز سنی۔ جی چاہا مرنے سے پہلے ان مقدس ہونٹوں کو ایک بار بوسہ دوں۔ (نوشابہ کی آنکھیں ڈبڈبانے لگتی ہیں)

Scanned by CamScanner

فریدوں:۔ ملکۂ عالم! (تعجب اور عقیدت سے)

نوشابہ:۔ انکار مقدس ہے فریدوں مگر بالکل بے کار، تم اور تمہارے کروڑوں اربوں مفلس، نادار کسان مزدور، دوڑ میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں تمہارے ہاتھوں کی کمائی دولت سے ہم نے تمہارے خلاف پوری دنیا خرید لی ہے سائنس ہماری غلام ہے، مذہب ہمارا دلال، علم و دانش پر ہماری ٹھیکیداری ہے۔ فوجیں، ہتھیار، فتوحات کے وسیلے، انصاف قانون سب ہمارے زر خرید ہیں۔ تم نہتے ہاتھوں سے کب تک ان زبردست قوتوں کا مقابلہ کروگے آخر ایک دن ان طاقتوں سے پس کر رہ جاؤ گے یا مٹ جاؤ گے یا پھر نوشابہ کی طرح بک جاؤ گے اس لئے میں چاہتی ہوں کہ میرے نوجوان دوست! سچائی کو پہچانو۔ سچائی کے آگے سر جھکادو۔

فریدوں:۔ کوئی تیسرا راستہ نہیں؟

نوشابہ:۔ نہیں! آتش دان میں جلتی ہوئی اس آگ کو دیکھو کیا اس آگ کے سامنے جلنے یا جلانے کے سوا کوئی اور راستہ بھی ہے (ہدایت دیتی ہے) نذرانہ پیش کیا جائے۔

(دو خدمت گار نہایت شاندار مرصع وردیاں پہنے دو قابیں لئے داخل ہوتے ہیں جن پر نہایت مرصع کپڑے پڑے ہوئے ہیں۔ قاب فریدوں کے سامنے آتش دان کی روشنی میں رکھ دیئے جاتے ہیں۔ نوشابہ کے اشارے پر دونوں خدمت گار باقاعدہ فوجی طریقے پر صف بستہ ہو کر نوشابہ کو سلامی دیتے ہیں اور پھر اسی طرح مڑ کر واپس چلے جاتے ہیں)

Scanned by CamScanner

نوشابہ آتش دان کی راکھ جھاڑنے والی لوہے کی چھڑی سے ان دونوں قابوں سے کپڑے ہٹاتی ہے۔ اِن میں اُن انسانوں کے خون میں لتھڑے ہوئے سر ہیں جو فریدوں کے ساتھ لائے گئے تھے ان کے بھیجے نکال لئے گئے ہیں اور سر درمیان سے شق ہیں۔)

فریدوں:۔ (خوف اور دہشت سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے اور زور سے چیختا ہے) نہیں! نہیں!! یہ سب جھوٹ ہے۔ انسان اتنا ظالم نہیں ہو سکتا۔

نوشابہ:۔ یہ سب سچ ہے۔ ان کے ہونٹوں کو چھوؤ جنھوں نے کبھی انکار کا لفظ نہیں جانا ان کے رخساروں کو ہاتھ لگا کر دیکھو یہ بھی کبھی تمہاری طرح جیتے جاگتے خون سے تابناک تھے (فریدوں دونوں ہاتھوں سے آنکھیں بند کر لیتا ہے) تم ڈرتے ہو! (کپڑا پھر سے ڈھک دیتی ہے) سوچو، فریدوں! اچھی طرح سوچو، یہ تمہارے اختیار میں ہے۔ تمہاری شان میں قصیدے لکھے جائیں، تمہاری پیشانی صندل سے جگمگائے تمہارے گلے میں مہکتے سرخ گلابوں کے ہار ہوں، فوجیں تمہیں سلامی دیں شہنشاہ کے ہونٹ تمہاری پیشانی کو بوسہ دیں، پورے ملک میں عزت کے ساتھ تمہاری تصویریں دکھائی جائیں اور تمہارا سر ہمیشہ زندہ رہنے والے عظیم انسانوں کے عجائب گھر میں رکھا جائے یا تم ایک کتے کی موت مارے جاؤ۔ تمہیں کیا پسند ہے؟

فریدوں:۔ میں کچھ نہیں سوچ سکتا۔ میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا!!

نوشابہ:۔ (اٹھ کھڑی ہوتی ہے) تو فیصلہ کر لو۔ ہم نے داروغۂ زنداں کو حکم دے دیا ہے آج قید خانے کی تمہاری کوٹھری اور ہمارے محل دونوں کے

دروازے رات بھر کھلے رہیں گے اور ہمیں تمہارے فیصلے کا انتظار رہے گا۔ (دو قدم باہر جانے کے لئے آگے بڑھتی ہے پھر ایک دم پلٹ کر فریدوں سے مخاطب ہوتی ہے) اور ہاں ـــ یاد رہے کہ جمشید نے صرف ایک جام ایجاد کیا تھا جو ساری دنیا کا حال بتا دیا کرتا تھا ہمارے پاس ایسے ہزاروں جام ہیں جن کی نظروں سے دنیا کے کسی کونے میں کوئی نہیں بچ سکتا۔ فرار کا کوئی راستہ نہیں ہے (تالی بجاتی ہے سپاہی فریدوں کو گھیر لیتے ہیں۔ نوشابہ واپس جانے لگتی ہے۔ فوجی بگل بجاتے ہیں جو اس کے رخصت کا اعلان کرتے ہیں۔ فریدوں سپاہیوں کی حراست میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا روانہ ہوتا ہے)

(پردہ گرتا ہے)

Scanned by CamScanner

پانچواں سین

(آدھے بنے ہوئے مکان کا تہہ خانہ۔ رات آدھی سے زیادہ گزر چکی ہے رقاصہ شراب انڈیل رہی ہے۔ گول میز کے گرد جج، پروفیسر شاعر بیٹھے ہوئے ہیں طاقچوں میں شمعیں جل رہی ہیں۔ سب لوگ خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں اور ایک سانس میں جام خالی کر دیتے ہیں رقاصہ دوبارہ جام بھرتی ہے۔ خاموشی پھر بھی نہیں ٹوٹتی۔ لوگ شراب پیتے رہتے ہیں۔ اچانک شاعر نغمہ چھیڑتا ہے)

"میرے ذہن سے ساری تشبیہیں لے لو
میرے ہونٹ سے چھین لو استعارے
میرے جسم سے سارے لفظوں کے خلعت اتارو
مجھے صرف وہ خامشی بخش دو
کہ جو درد سے خالی ہو!" (تالیاں: رسمی سی)

شاعر:۔ میں بہت تھک گیا ہوں دوستو!

رقاصہ:۔ تمہیں تھک جانے کا حق ہے میرے شاعر! دولت تمہارے قدم چوم رہی ہے۔

شاعر:۔ خاموش، فاحشہ، مجھے اور ذلیل نہ کر۔

رقاصہ:۔ مجھے فاحشہ کہو اور کچھ گالیاں دے لو مگر تمہارے اندر کا کوڑھ اس سے اور بھی زیادہ بھیانک ہو جائے گا۔ ہاں میں نے اپنا آرٹ بیچا نلج ناچ کر لوگوں کو موت کی طرف بلایا مجھے اپنی جان پیاری تھی مگر تم نے تو قلم کی عصمت فکر کی پاکیزگی فن کا غرور سب کچھ بیچ کھایا ہے۔ (شاعر

(رقاصہ کو شانوں سے پکڑ لیتا ہے)

جج :۔ نہیں دوستو! جھگڑنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ میں تمہارا انصاف کروں گا

(شاعر رقاصہ کو چھوڑ دیتا ہے)

شاعر :۔ (بھیانک قہقہہ لگاتا ہے) بکی ہوئی موم کی گڑیاں کب سے انصاف کرنے لگیں۔

جج :۔ تم حد سے بڑھتے جا رہے ہو۔

شاعر :۔ یہاں کوئی حد نہیں ہے میرے دوست! ساری حدیں پار کی جا چکی ہیں۔ وہ سامنے دیکھو سقراط کی نسل کا آدمی انسانیت کا سب سے محترم سب سے برگزیدہ فرد، علم کا وارث، عرفان کا پجاری، سچائی کا پیغمبر، آئندہ نسلوں کا معمار اعظم استاد سقراط کی طرح زہر پینے کے بجائے ہماری نئی نسلوں کو زہر پلا رہا ہے تاکہ وہ کبھی اپنی بنائی ہوئی سرزمین پر عزت کے ساتھ سر اٹھا کر کھڑی نہ ہو سکیں۔

استاد :۔ تمہارا اشارہ میری طرف ہے۔

شاعر :۔ بدقسمتی یہی ہے۔

استاد :۔ مگر میرے اوپر پہلا پتھر کون پھینکے گا؟ تم سب مجرم ہو۔

رقاصہ :۔ تمہارا ضمیر تمہیں سنگسار کرے گا۔

استاد :۔ میں اسے کب کا سنگسار کر چکا۔ ملک اور قوم کی خاطر میں نے ضمیر کو دفن کر دیا اور شہنشاہ کی اطاعت قبول کر لی میں نے نئی نسل کو پڑھایا کہ ذہن علم کی راہ میں حائل ہے دماغ انسان کی گمراہی کا سبب ہے اور موت زندگی کا صحیح عرفان ہے میں نے شہنشاہ کے اژدہوں کی غذا فراہم کرنے کے لئے انھیں آمادہ کیا ملک اور قوم کی خاطر۔

Scanned by CamScanner

شاعر:۔ (قہقہہ لگاتا ہے) ملک اور قوم کا نام دلو۔ تم ایک گھٹیا قسم کے خوشامدی تھے جس میں سچائی کی خاطر مرنے کی ہمت نہیں تھی بزدل کہے۔

جج:۔ تمہیں دوسروں پر فردِ جرم عاید کرنے کا حق کس نے دیا ہے۔

استاد:۔ یہ سراسر ناانصافی ہے۔

رقاصہ:۔ جب انصاف اندھا ہو جائے تو ناانصافی قانون بن جاتی ہے۔

شاعر:۔ تخیل کی ساری شمعیں روشن کر و میرے دوستو! سچائی کے قد آدم آئینوں سے سارے نقاب ساری دھند دور کر دو۔ آؤ آج کی رات ہم اپنے بھیانک چہرے دیکھیں قاتلوں سے زیادہ خوفناک خونیوں سے زیادہ دہشت ناک چہرے (ایک سیکنڈ کے لئے مکمل خاموشی چھا جاتی ہے رقاصہ جام بھرتی ہے کوئی جام نہیں اٹھاتا۔ ایک دم استاد کھڑا ہو جاتا ہے)

استاد:۔ شاید تم سچ کہتے ہو شاعر! مجھے اپنے آپ سے گھن آتی ہے۔ روپیہ، سلامتی، خوشامد اور چاپلوسی کی گندی نالیوں میں رینگنے والا کیڑا، وہ میں ہوں۔

شاعر:۔ میں نہیں جانتا قابل نفرت کون ہے مگر ہر لفظ مجھے ذلیل اور رسوا کرتا ہے کورے کاغذ کا ہر صفحہ میرا منہ چڑھاتا ہے۔ قلم مجھے سولی پر چڑھاتا ہے میرا ضمیر بے قرار ہے۔

جج:۔ یہ سب تمہیں کیونکر معلوم ہوا؟ یہ تو میری آپ بیتی ہے شاعر۔ حلف لینے سے آج تک میں سو نہیں سکا ہوں۔ وہ تمام بے گناہ جن کی موت کو میں نے جائز قرار دیا ہے قطار باندھ کر میری خوابوں میں میرا مذاق اڑاتے ہیں مجھ پر ہنستے ہیں مجھ پر نفرت سے تھوکتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں

Scanned by CamScanner

میں نے نیکی کو گناہ سے اور معصومیت کو ظلم سے محفوظ رکھنے کی قسم کھائی تھی
مگر میں نے انصاف کو درندوں کے ہاتھ بیچ دیا ہے میں غدار ہوں۔

استاد:۔ میں نے علم سے غداری کی ہے میری تجربہ گاہوں میں انسانی فلاح کے بجائے
اس کی کھوپڑیوں سے بھیجے چھین لینے کے تجربے کئے جا رہے ہیں میری
درس گاہوں میں زندگی کے بجائے موت کی تعلیم دی جا رہی ہے میں
نے سچائی کی جگہ انسان کو جھوٹ سکھایا۔ عزت کی جگہ اسے ذلت کا
درس دیا۔ میں نے انسانیت کے ضمیر کو قتل کر دیا۔

(راہب گھبرایا ہوا داخل ہوتا ہے)

راہب:۔ غضب ہو گیا دوستو! قیدیوں جیل سے فرار ہو گیا۔

استاد، شاعر، جج، رقاصہ (حیرانی سے) کیا؟ فرار ہو گیا؟

راہب:۔ آج تک شاہی جیل خانے سے کسی کو فرار ہونے کی ہمت نہیں ہوئی۔

جج:۔ ضرور اس میں کچھ سازش ہے۔

راہب:۔ سازش کو مارئیے گولی۔ فکر یہ ہے کہ اب ہمارا راز گاؤں گاؤں قصبے
قصبے کے لوگوں تک پہنچے گا سب کو معلوم ہو جائے گا کہ ملک اور
قوم کو نہیں شہنشاہ کو انسانوں کے بھیجوں کی ضرورت ہے۔

استاد:۔ جام جمشید سے زیادہ کارگر ہمارے آئینے خانوں کی مدد سے ایک
لمحے میں مجرم کا پتہ لگایا جا سکتا ہے۔

راہب:۔ مگر ابھی تک پتہ نہیں لگایا جا سکا۔

شاعر:۔ مجھے معلوم تھا ایک ایسا انوکھا دن بھی آئے گا میں جانتا تھا۔

راہب:۔ کاہن بھی یہی کہتا ہے وہ کہتا ہے آج کے دن سے سبھی باتیں الٹ
جائیں گی اقبال کے سورج گہنا جائیں گے ذرے آفتاب بن کر جگمگائیں
گے زمین اپنی دولت اگل دے گی کمانوں کی طرح جھکی ہوئی گردنیں تیروں

Scanned by CamScanner

کی طرح سیدھی ہو جائیں گی سجدوں میں گرے ہوئے سر آسمانوں کی طرح بلند ہوں گے۔

رقاصہ:۔ آہ! مجھے ایسے ہی دن کا انتظار تھا! (شراب کے جام بھرتی ہے)

شاعر:۔ دوستو! میں نے اپنے اس آدھے بنے ہوئے مکان کے تہہ خانے میں آپ کو اس نئی صبح کے استقبال کی دعوت دی تھی مجھ سے اب یہ ذلت اور زیادہ برداشت نہیں ہوتی۔ میں آپ کے ساتھ اس نئی صبح کا جام پیتا ہوں میرے جام میں زہر ہے (جام ہاتھ میں اٹھالاتا ہے) گواہ رہنا دوستو کہ مرنے سے پہلے میں سچ بول سکتا تھا! نئی صبح کا آخری جام! (جام پینے ہی والا ہوتا ہے کہ فوجی افسر سامنے پڑا ہوا پردہ ہٹا کر جام ہاتھ سے چھین لیتا ہے)

فوجی افسر:۔ اتنی جلدی نہیں شاعر اعظم! (سب حیران رہ جاتے ہیں) ایسی حیرانی کی کوئی بات نہیں ہے۔

میں ایک خوشگوار فرض ادا کرنے آیا تھا۔ شہنشاہ اعظم نے اعلیٰ ترین بین الاقوامی ادبی اعزاز کے لئے شاعر اعظم کا نام تجویز کیا ہے۔ ہمارے قابل تعظیم استاد کو بین الاقوامی انجمن میں ہمارے ملک کی نمایندگی کا شرف حاصل ہوا ہے۔ (سب تالیاں بجاتے ہیں) عزت مآب میر عدل کو عالمی عدالت کا سربراہ مقرر کرنے کی سفارش کی گئی ہے جس کی منظوری آچکی ہے ہماری حسین رقاصہ کو قومی محفل رقص کا صدر نامزد کیا گیا ہے (تالیاں) اور ہمارے لائق احترام راہب اعظم کو قومی مجلس قانون ساز کا میر مجلس مقرر کیا گیا ہے۔ یہ سب عوامی مجلس آئین ساز کی جمہوری طور پر اتفاق رائے سے منتخب ہوئے ہیں۔ میں آپ سب حضرات کو شہنشاہ، مجلس آئین ساز اور عظیم مملکت کے قابل فخر عوام کی طرف سے مبارک باد پیش کرنے کا خوشگوار فریضہ ادا کرنے

آیا تھا۔

سب لوگ:۔ ہم نہایت شکر گزار ہیں۔ (تعظیم سے سر جھکاتے ہیں)

فوجی افسر:۔ مگر مجھے افسوس ہے (تالی بجاتا ہے اور کئی سپاہی آکر سب کو گھیر لیتے ہیں پھر سپاہیوں کو اشارہ کرتا ہے) ملک کے آئین کے مطابق منتخب شہنشاہ اور ریاست کے خلاف سازش کرنے کے الزام میں مجھے آپ سب کو گرفتار کرنا پڑ رہا ہے حکومت کی آنکھ اور کان کبھی غافل نہیں ہوتے (سپاہی آگے بڑھ کر سب کو گرفتار کر لیتے ہیں)

فوجی افسر:۔ اخبار نویسوں کو اندر بھیجا جائے۔ (پریس والے اندر داخل ہوتے ہوئے ہیں)

فوجی افسر:۔ کل کے اخبارات میں سیاہ حاشیے پر یہ خبر شائع ہو گی کہ ایوان حکومت کی طرف آتے ہوئے سڑک کے ایک حادثے میں یہ سب لوگ مارے گئے۔ پورے ملک میں تین دن سوگ منایا جائے گا۔

(پردہ گرتا ہے)

Scanned by CamScanner

چھٹا سین

(گھنٹہ چار بجاتا ہے ضحاک کا محل، شاہی کرسی کے سامنے ضحاک بے قراری سے چبوترے پر ٹہل رہا ہے دوسری کرسی خالی پڑی ہے چہرے پر غصہ جھلک رہا ہے چار بجتے ہی جلوس آنے لگتا ہے لیکن اس بار سب سے پہلے وزیراعظم آگے آگئے ہے)

وزیراعظم :۔ عظیم مملکت کے عوام کی طرف سے شہنشاہ اعظم کو قومی جشن مبارک!

(قومی ترانہ چھیڑا جاتا ہے سب لوگ مودب کھڑے ہو جاتے ہیں ذرا سی دیر بعد شہنشاہ چیخنے لگتا ہے)

ضحاک :۔ یہ فضول اور بے کار تماشا بند کرو! یہ بکواس گانا بجانا بند کرو! (سب حیران رہ جاتے ہیں اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگتے ہیں) قومی ترانہ! قومی جھنڈا!! ہم اس تماشے سے تنگ آ چکے ہیں ہمیں اپنی غذا چاہیئے اور جلد!

وزیراعظم :۔ نذرانہ پیش کیا جائے (قیدی لائے جاتے ہیں جن کے ہونٹ سلے ہوئے ہیں اور منہ پر نقابیں چڑھی ہوئی ہیں)

ضحاک :۔ ٹھہرو، ان میں فریدون ہے؟ (سب خاموش رہتے ہیں) بولتے کیوں نہیں، کیا تم سب گونگے ہو؟

وزیراعظم :۔ شہنشاہ، فریدون ابھی گرفتار نہیں ہوا۔

ضحاک :۔ (گرج کر) کیوں گرفتار نہیں ہوا؟ آخر ہمارے جام جمشید، ہمارے جاسوس اور فوجی، ہمارے ساحر ساں یہ سب کہاں ہیں؟

وزیراعظم :۔ میں شہنشاہ معظم کو یقین دلاتا ہوں کہ فریدون کو گرفتار کر کے جلد حضور میں پیش کیا جائے گا۔

ضحاک :۔ نالائق، ہاتو نی کتے، ہمیں تیرے وعدوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہمیں نتیجے

Scanned by CamScanner

چاہئیں صرف نتیجے! کام پورا ہونا چاہیئے۔

وزیر اعظم:۔ کام پورا ہوگا جہاں پناہ!

ضحاک:۔ ضحاک نے انتظار کرنا نہیں سیکھا! نذرانہ پیش کیا جائے۔

وزیر اعظم:۔ تعمیل ہو۔ (قیدی آگے لائے جاتے ہیں)

ضحاک:۔ زنجیریں کھول دو، نقاب اتار دو۔ کون ہیں یہ لوگ؟ (نقاب اتار دیئے جاتے ہیں۔ ضحاک چبوترے سے نیچے اُترتا ہے اور قیدیوں میں سے ہر ایک کو غور سے دیکھتا ہے)

ہم انھیں پہچانتے ہیں! ہماری مملکت کا سب سے بڑا شاعر۔

(آگے بڑھتا ہے) ہماری عدالت کا سربراہ، ہمارے ملک میں انصاف کا امانت دار!

(اور آگے بڑھتا ہے) ہمارے ملک کا ماہر تعلیم استاد!

(اور آگے بڑھتا ہے) ہمارا سب سے بڑا مذہبی رہ نما۔ راہب اعظم!

(اور آگے بڑھتا ہے) ہماری مملکت کی سب سے بڑی رقاصہ!

(اور آگے بڑھتا ہے) ہماری راتوں کی شریک ملکہ دوشابہ!!

وزیر اعظم:۔ اجازت ہو تو ان کے ہونٹوں کے ٹانکے کاٹ دیئے جائیں۔

ضحاک:۔ نہیں! ان تکلفات کی ضرورت نہیں۔ یہ سب لوگ بہت بول چکے ہیں ان کے لئے خاموشی بڑی دولت ہے۔

وزیر اعظم:۔ کیا ضروری رسمیں پوری کی جائیں گی؟

ضحاک:۔ نہیں۔ بے کار ہے!! ان کو بتانے کی ضرورت نہیں کہ ملک اور قوم کے لئے جان دینا کتنی بڑی نیکی ہے۔ یہ خود جانتے ہیں کہ ہمارے ملک کے آئین کی ہر دفعہ مجبوری ہے اور ہم اپنے ملک کے کسی باشندے پر جبر نہیں کرتے۔ یہاں کسی کی جان ان کی مرضی کے خلاف نہیں لی جاتی جو یہ نہیں جانتے وہ صرف جلاد کی تلوار انھیں سمجھا سکتی ہے۔ ہمیں خوشی

ہے کہ آج ہمارے سامنے ملک کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ بچوں
کا ناشتہ لایا جا رہا ہے۔ کاش ان میں فریدوں بھی شامل ہوتا۔

وزیر اعظم :۔ اجازت ہے؟ (ضحاک اشارہ کرتا ہے)
نذرانے والوں کو آگے لایا جائے۔

(جلاد آگے آ کر پوزیشن سنبھال لیتے ہیں قیدی گردن جھکائے
کھڑے ہیں کہ اچانک فریدوں ہاتھ میں مشعل لئے داخل ہوتا
ہے اور سب کو نظر انداز کرتے ہوئے ضحاک کے سامنے آ کر کھڑا
ہو جاتا ہے)

فریدوں :۔ شہنشاہ کا ساتواں شکار، فریدوں!

ضحاک :۔ یہ تیرے آخری الفاظ ہوں گے۔

فریدوں :۔ کاوا لوہار کے بیٹا فریدوں کو موت سے ڈراتے ہو میری گردن سے ایک سر کاٹ لو میرے جسم سے دو بازو قطع کر لو۔ مگر یاد رکھ ضحاک میرے لاکھوں سر ہیں، کروڑوں بازو ہیں میرے سر اور بازو وہ لوگ ہیں جو سمندر کی تہوں میں ڈوب کر تیرے لئے موتی نکالتے ہیں۔ دن دن بھر تمہاری، بچاس منزلہ عمارات کے ٹاٹڑ پر صلیب سے بندھے رہتے ہیں کہ تمہارے لئے محلات تیار کر سکیں۔ زمین کی اندھیری تہوں میں گھس کر تمہارے آتش دانوں کے لئے کوئلہ اور تمہاری صنعتوں کے لئے تیل نکال لاتے ہیں۔ تپتی ہوئی بھٹیوں کے درمیان زندہ رہ کر تمہاری مشینیں چلاتے اور کارخانے آباد کرتے ہیں کہ تمہارے جسم نرم لباس اور تمہارے ظالم وجود آسودگی پا سکیں جھلساتی دھوپ میں کھڑے ہو کر ہل چلاتے ہیں کہ تمہاری سب کچھ نگل جانے والی بھوک تسکین پا سکے۔ میں ہر لمحے مرنے والے اور ہر پل دوبارہ جی اٹھنے والے کروڑوں

Scanned by CamScanner

اربوں میں سے ایک ہوں۔ مجھے موت سے ڈر نہیں لگتا۔

(باہر کا شور بڑھتا ہے)

وزیر اعظم :۔ خبردار، گستاخ (سپاہیوں سے) سپاہیو! اسے گرفتار کر کے جلادوں کے سامنے پھینک دو۔

(سپاہی فریدوں کو گرفتار کر لیتے ہیں اور جلادوں کے روبرو لے جاتے ہیں)

فریدوں :۔ مجھے موت منظور ہے۔ مگر محلات کی خاموش دیوارو! گواہ رہنا میں اپنی مرضی سے مرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ جلاد میری گردن اڑا سکتے ہیں مگر میں جلاد کے آگے گردن جھکانے سے انکار کرتا ہوں۔

(باہر کا شور بہت بڑھ جاتا ہے اور دروازہ ٹوٹنے کا دھماکہ ہوتا ہے۔ فوجی افسر گھبرایا ہوا داخل ہوتا ہے جلاد تلوار کھینچ چکے ہیں اور شہنشاہ کے حکم کا انتظار کر رہے ہیں فوجی افسر تیزی سے آگے بڑھ کر فوجی سلام بجا لاتا ہے)

فوجی افسر :۔ شہنشاہ معظم! ہجوم نے محل کے صدر دروازے توڑ ڈالے ہیں وہ سب محل میں داخل ہو رہے ہیں

وزیر اعظم :۔ جشن مملکت کے جوش میں عوام اپنے شہنشاہ کو نذر عقیدت پیش کرنے آ رہے ہیں۔

ضحاک :۔ انھیں روک دیا جائے۔

فوجی افسر :۔ ساری کوششیں ناکام ہو چکی ہیں۔

(اتنے میں ہجوم اندر داخل ہوتا ہے مگر اندر داخل ہونے سے قبل جو شور غوغا تھا وہ سب خاموشی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ضحاک ایک قدم آگے بڑھتا ہے۔ فریدوں سپاہیوں سے اپنے آپ کو چھڑا کر قتل گاہ کے چبوترے پر چڑھ جاتا ہے)

Scanned by CamScanner

فریدوں:۔ دوستو! اپنے شہنشاہ کو دیکھ لو! کیا کاوا کا بیٹا جھوٹ کہتا تھا کہ اس کے شانوں پر دو بے حد زہریلے سانپ لہلہاتے ہیں جنھیں کھانے کے لئے ہر روز انسانوں کے بھیجے درکار ہوتے ہیں اور میں تم ہم سب ان کی غذا ہیں اسی غذا کو حاصل کرنے کے لئے شاعر موت کے نغمے گاتے تھے استاد وطن پر قربان ہونے کا سبق دیتے تھے قانون انصاف کرتا تھا اور رقاصہ ناچتی تھی اسی کے لئے فوج، پولیس اور جبر کا پورا کارخانہ درکار تھا دیکھو آج ان سب کے ہونٹ سلے ہوئے ہیں یہ تم سے آزادی کی بھیک مانگ رہے ہیں۔ خاموشی سے ظلم کو سہتے رہنے والو اب تو کچھ بولو! (مجمع خاموش رہتا ہے)

ضحاک:۔ (جلادوں سے مخاطب ہوتا ہے) اس گستاخ کی گردن اڑا دو۔ (جلاد تلوار اٹھاتے ہیں)

فریدوں:۔ جو محنت کش مزدور کسان کا بیٹا نہ ہو وہ میرے اوپر تلوار اٹھائے۔ کیا سرکاری وردی پہن کر تم سب یہ بھی بھول گئے کہ تم کسان اور محنت کش مزدور کے بیٹے ہو جنھیں کھیت کھلیانوں، کارخانوں اور بازاروں سے اغوا کر لیا گیا ہے۔ کیا زندگی بھر دوسروں کے لئے خون اور پسینہ بہانے کے بعد بھی تم ایک لمحہ کے لئے اپنے واسطے جینے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ اپنے قاتلوں کو پہچان لو! آج وہ سارے قاتل بے نقاب تمہارے روبرو کھڑے ہیں۔

ضحاک:۔ حکم کی تعمیل ہو! (مجمع میں ہل چل پیدا ہوتی ہے)

جلاد:۔ (خاموشی سے تلواریں لے کر ضحاک کے اردگرد کھڑے ہو جاتے ہیں)

فریدوں:۔ ٹھہرو، میرے بھائیو! یہ سعادت مجھے حاصل کرنے دو۔ آج تک مظلوم ہی کا خون بہتے دیکھا ہے آج تک میرا ہی قتل ہوا ہے میں نے کبھی کسی کو قتل نہیں کیا۔ (تلوار چھین لیتا ہے اور ضحاک پر جھپٹتا ہے مگر اتنے

میں مجمع کے اندر سے بوڑھا آگے بڑھ کر ضحاک اور فریدوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے)

بوڑھا:۔ ہاتھ روک لے نوجوان! ضحاک کی روح میری ہے میں اس کا سودا کر چکا ہوں۔

فریدوں:۔ اور اس کا جسم ؟

بوڑھا:۔ سانپوں کی ملکیت ہے۔

فریدوں:۔ مگر ہم انتقام لیں گے۔

بوڑھا:۔ بہت دیر ہو چکی ہے۔ انتقام اتنا آسان نہیں۔ ضحاک ہر جگہ اور ہر زمانے میں پیدا ہوں گے تو کس کس کو قتل کرے گا۔ (ضحاک اچانک غائب ہو جاتا ہے) اس کے شانوں کے ناگ ہمیشہ تمہارے سینوں پر پلتے رہیں گے تو انھیں مار نہیں سکتا!

فریدوں:۔ ہم ان کے سر کچل ڈالیں گے

سب کی آواز:۔ ہم ان کا سر کچل ڈالیں گے۔

بوڑھا:۔ (قہقہہ لگاتا ہے) بھولتے ہو نادانو! صدیوں کی لڑائی کو لمحوں میں ختم کرنا چاہتے ہو؟

فریدوں:۔ (تلوار کا ہاتھ مارتا ہے مگر بوڑھے پر کوئی اثر نہیں ہوتا وہ ایک خونخوار قہقہے کے ساتھ غائب ہو جاتا ہے) بچ گیا مگر یاد رکھ بوڑھے جب بھی، جہاں بھی ضحاک سر اٹھائے گا فریدوں کا یا اس کے کسی مظلوم بھائی یا بہن کا ہاتھ بھی ضرور اٹھے گا۔ ان لوگوں کے ٹانکے کاٹ دو آؤ ہم نئے ضحاک کی تلاش میں چلیں۔

(پردہ گر جاتا ہے)

Scanned by CamScanner

ضحاک : پروڈکشن نوٹ

پیشکش کے لئے کچھ اشارے

یوں تو پیشکش کے لئے کسی ڈرامے کے متن کی تعبیر اور توجیہہ ڈراما پروڈیوسر کا کام ہے اور اسے پوری طرح یہ حق حاصل ہے کہ اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق اس کی تشریح کرے مگر پھر بھی چند بنیادی باتوں کی طرف یہاں اشارہ کیا جاتا ہے۔ جس سے شاید پیشکش میں آسانی ہو۔

یہ ڈراما، بظاہر دھوم دھام کے کلاسیکی ڈھنگ کا ڈراما لگتا ہے جس میں شاندار لباس، بھڑکیلے درباری ماحول، باوقار کردار اور آراستہ زبان کے مکالموں کا استعمال کیا گیا ہے لیکن در اصل یہ ظاہری روپ رنگ ڈرامے کے باطنی کردار سے دست و گریباں ہے اور ایک طنز کے طور پر برتا گیا ہے۔ مقصد صرف یہ دکھانا ہے کہ کس قدر بھیانک اور خونی اقدامات کو ہمارا تہذیبی نظام کس قدر خوبصورت پردوں میں چھپا کر پیش کرتا ہے اور کس طرح ننگا اور برہنہ قتل و خون ان رنگین آرائشی و زیبائشی نقابوں میں چھپا ہوتا ہے۔ گویا یہ سارا کلاسیکی اور نیم کلاسیکی طرز ایک طرح کا طنز ہے اور اسی طرح اسے پیش کیا جانا چاہیئے۔

اس لحاظ سے ڈراما پروڈیوسر کو آسانی ہوگی اگر اس ڈرامے کے کلاسیکیت مخالفت یا anti-Classicism نوعیت کو ملحوظ رکھا جائے۔

پہلے کہا جا چکا ہے کہ یہ ڈراما تین سطحوں کا ڈراما ہے جہاں ایک سطح پر وہ ہنگامی حالات اور ایمرجنسی کی صورت حالات سے جڑا ہوا ہے وہاں دوسری سطح پر اس کا موضوع یہ ہے کہ سیاسی اقتدار والے طبقے تہذیب کے لائق احترام اور بظاہر غیر جانبدار تہذیبی اداروں، قانون اور عدالت، علم و ہنر، فن اور مذہب کو

کس طرح اپنے گھناؤنے مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں اور تیسری سطح پر اس کا موضوع وہ صنعتی ترقی اور وہ مشین ہے جو انسان کی دریافت ہے مگر خود انسان کی آقا بن گئی ہے اور منافع کے لئے استعمال ہونے والی یہ مشین انسان کو ایسے تشنج میں مبتلا کر چکی ہے جس کی قیمت انسان اپنی روح کو گروی رکھ کر ادا کرتا ہے۔ اسی لئے ضحاک مارا نہیں جاتا بلکہ سرمایہ داری نظام کا بوڑھا جادوگر جو اس کی روح پہلے خرید چکا ہے اسے کسی دوسرے علاقے میں استعمال کرنے کے لئے بچا لے جاتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ حصہ گوئٹے کے شہرۂ آفاق ڈرامے "فاؤسٹ" کا محض مستعار علامتی واقعہ ہی نہیں ہے بلکہ اس کی نئی توجیہہ اور تعبیر کی کوشش بھی بن جاتا ہے۔ گوئٹے نے اسے مابعد الطبیعاتی رنگ دیا تھا یہاں اس کی اقتصادی اور سماجی Socio economic تعبیر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس Sham classic اور anti romantic نوعیت کو سمجھنے کے بعد ڈراما پروڈیوسر کو لباس کے انتخاب، پس منظر کی موسیقی اور نغمے کی ترتیب میں بھی آسانی ہو جائے گی۔ یہ محض اتفاق نہیں ہے کہ کورس میں پابند نظم کو برتنے کے بجائے آزاد نظم کو استعمال کیا گیا ہے۔

پیشکش کے بارے میں دوسری بات قابل توجہ یہ ہے کہ اس ڈرامے کا موڈ محض تشکیک مایوسی اور مجبوری اور معذوری کا نہیں ہے۔ مصنف کا یہ خیال نہیں ہے کہ انسانی زندگی میں ایک اندھیری رات کے بعد دوسری رات ہی آتی ہے اور صبح کبھی نہیں ہوتی۔ نہ وہ سرمایہ داری نظام کو مستقل اور ناگزیر مقدر سمجھتا ہے۔ نہ استحصال کے دائرے سے باہر نکلنے کا ہر راستہ مسدود جانتا ہے۔ ڈرامے کا مرکزی تصور بہت سیدھا سادا ہے اور یہ ہے کہ انسانیت اور اس کے بہترین اداروں کا نجات دہندہ محنت کش طبقہ ہے اور فریدوں اس کا نمائندہ ہے۔ اور یہ خیال رومانویت کے بجائے نئی حقیقت پسندی کے ذریعے ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

تیسری بات ملحوظ رکھنے کی ہے کہ ڈراما مختصر اور مختلف تاثر پاروں کے ذریعے

ترتیب دیا گیا ہے۔ ان تاثر پاروں میں مکالموں کے درمیان ایک عمودی ارتقا کے ذریعے نقطۂ عروج موجود ہے۔ اور موسیقی اور روشنی، مکالموں کی ادائیگی اور حرکات و سکنات میں ہر اکائی کے نقطۂ عروج کو پیش نظر رکھنا موثر ہوگا کہ ضابطہ شکنی کی کوششوں کے باوجود نقاط عروج کا ربط ٹوٹنے نہیں دیا گیا ہے۔

پیشکش کے سلسلے میں شاید یہ بھی پیش نظر رکھنا مفید ہوگا کہ آج کل اسٹیج ڈرامے نے جو نئی گرامر وضع کی ہے اس کے مطابق اس ڈرامے میں Theatre of cruelty بے رحمی کے تھیٹر کی تکنیک کا بھی بالواسطہ استعمال کیا گیا ہے۔ گو اس ڈرامے میں اسٹیج پر نہ تو تشدد کو پیش کیا گیا ہے اور نہ ظلم و جبر کا کوئی مظاہرہ ہے۔ گو پہلے منظر کے آخری حصے میں ظلم و تشدد کا اظہار ہی برملا ہوا ہے۔ مگر ظلم و تشدد کا سایہ پورے ڈرامے پر حاوی رہتا ہے اور اس کی موجودگی کا احساس برابر قائم رکھا جانا چاہیئے۔

یہ خیال درست نہیں ہے کہ یہ ڈراما اسٹیج پر پیش کرنا دشوار ہے البتہ بعض مشکلات اور مسائل ضرور ہیں۔ ضحاک کے کردار کے لئے ایک ایسے زرہ بکتر نما Mask کی ضرورت ہوگی جس کا ایک حصہ سر پر خود کی شکل کا ہو اور اسی میں شانوں پر دو سانپوں کی گنجائش پیدا کی جائے۔ یا ان سانپوں کے وجود کا علامتی اظہار ہو۔ اسی طرح سروں کو تن سے جدا کرنے کا عمل اور سروں کو نذرانے میں پیش کرنے کا عمل بھی پروڈیوسر سے فنکارانہ ہنرمندی کا طلبگار ہوگا۔

متن کے مطالعہ سے شاید ڈرامے کے مختصر ہونے کا احساس ہو لیکن فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ متن محض ڈرامے کا ایک حصہ ہی ہوتا ہے اور متن کے علاوہ ڈرامے کا بڑا حصہ اداکاری، مکالموں کی ادائیگی، پس منظر کی موسیقی اور پیشکش کی تکنیک کا بھی ہوتا ہے اور ڈرامے کی مجموعی مدت کا تعین محض مکالموں سے کرنا درست نہیں ہے۔

محمد حسن

۲۸ فروری ۱۹۸۰ء

Scanned by CamScanner

مصنف کی جملہ تصانیف

تنقید

۱۔ ادبی تنقید

۲۔ شعر

۳۔ ہندی ادب کی تاریخ

۴۔ دِلّی میں اُردو شاعری فکری اور تہذیبی پس منظر

۵۔ جلال لکھنوی

۶۔ اُردو ادب میں رومانوی تحریک

۷۔ عرض ہنر

۸۔ شناسا چہرے

۹۔ مطالعۂ سوداؔ

۱۰۔ جدید اردو ادب

Scanned by CamScanner

ترتیب وتدوین

۱۱- دیوانِ آبرو

۱۲- مرزا رسوا کے تنقیدی مراسلات

۱۳- کلیات سودا (۲ جلد)

۱۴- تذکروں کا تذکرہ

ڈرامے

۱۵- مورپنکھی

۱۶- پیسہ اور پرچھائیں

۱۷- تماشا اور تماشائی

۱۸- کہرے کا چاند

۱۹- ضحاک

Scanned by CamScanner

انتخابات

۲۰۔ انتخابِ میر
۲۱۔ انتخابِ سراج
۲۲۔ امراؤ جان ادا

تراجم

۲۳۔ گرو نانک
۲۴۔ جوالا مکھی
۲۵۔ ہندی کے ایک بابی ڈرامے

انگریزی

۲۶۔ نظیر اکبرآبادی
۲۷۔ اقبال
۲۸۔ گلمپسز آف فیض آباد

ھندی

۲۹۔ اقبال
۳۰۔ فیض آباد کی جھلکیاں

مصنف کی زیرِ طبع کتابیں

۱۔ مارکسی تنقید	۳۰/ روپے
۲۔ اردو شاعری میں فکری اور تہذیبی پس منظر (تیسرا اڈیشن مع اضافہ)	۳۰/ ؍؍
۳۔ ہندی ادب کی تاریخ (چوتھا اڈیشن مع اضافہ)	۲۰/ ؍؍
۴۔ دیوانِ آبرو (دوسرا اڈیشن مع اضافہ)	۱۵/ ؍؍
۵۔ اردو ادب میں رومانوی تحریک (دوسرا اڈیشن مع اضافہ)	۱۵/ ؍؍
۶۔ نثری نظموں کا مجموعہ	۱۰/ ؍؍
۷۔ قدیم اردو ادب کی تنقیدی تاریخ	۳۰/ ؍؍

Scanned by CamScanner

محمد حسن

Scanned by CamScanner